www.KitaboSunnat.com
روبہ زوال
امریکن ایمپائر
عالم اسلام پر حالیہ صلیبی یورش کے پس منظر میں
حامد کمال الدین

www.KitaboSunnat.com

رو بہ زوال

امیریکن ایمپائر

عالم اسلام پر حالیہ صلیبی یورش کے پس منظر میں

اسٹاکسٹ/ڈسٹری بیوٹرز:۔

مکتبہ قدوسیہ: رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7351124

۔ منشورات: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

۔ مسٹر بکس: سپر مارکیٹ، اسلام آباد فون: 2278843

۔ النور اسلامک بکس: 45 سنگاپور پلازہ، نزد کے ایف سی راولپنڈی

۔ احمد بک کارپوریشن: اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک، راولپنڈی

۔ مکتبہ قدوسیہ: رسول پلازہ، امین پور بازار، فیصل آباد فون 041-2640194

۔ معراج کتب خانہ: قصہ خوانی بازار، پشاور فون: 2214720

۔ دارالکتب: نزد گورنمنٹ سٹی کالج برائے خواتین، اردو بازار گوجرانوالہ

۔ علمی کتاب گھر: اردو بازار، کراچی فون: 2624097-2628939

۔ فضلی بک: سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی فون: 2212991

۔ مکتبہ الھدیٰ: پٹیل روڈ، نزد حبیب پلازہ، کوئٹہ، فون: 2825223

۔ دارالاندلس: ۴۔لیک روڈ، چوبرجی، لاہور۔ 042-7230549

تخلیقات: علی پلازہ، مزنگ روڈ، لاہور۔ فون: 042-7238014

ادارہ اسلامیات:۔ وینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور 042-7324785

۔ 190 انارکلی، لاہور 042-7353255

۔ موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی۔ 2722401

المسعود:۔ UG-13 ایڈن ہائٹس پلازہ، جیل روڈ، لاہور۔ فون: 042-5712371

۔ شاپ نمبر ۳، خان پلازہ، ایف/8 مرکز، اسلام آباد۔ فون 051-2261356

روبہ زوال

امیریکن ایمپائر

عالم اسلام پر حالیہ صلیبی یورش کے پس منظر میں

حامد کمال الدین

مطبوعات ایقاظ

طبع اول: ذوالقعدۃ ۱۴۲۸ھ، نومبر ۲۰۰۷ء

عنوان: روبہ زوال امریکن ایمپائر

عالم اسلام پر حالیہ صلیبی یورش کے پس منظر میں

مؤلف: حامد کمال الدین hamidateeqaz@gmail.com

ناشر: مطبوعات ایقاظ

برائے رابطہ و وی پی:

مطبوعات ایقاظ

۶ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور۔

Ph: 042-7530541 / 03234031624

www.eeqaz.com

فہرست

پیش لفظ

اسلام دشمنی کی وہ آگ جو افغانستان اور عراق کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے، اس کی کچھ خطرناک ترین چنگاریاں اب، یہاں سمیت، عالم اسلام کے متعدد خطوں کا رخ کرتی دکھائی دے رہی ہیں۔ مکر و دجل کے تہہ در تہہ شیطانی ایجنڈے لئے، ملتِ کفر کے ایلچی ہر طرف بھاگتے پھرتے دیکھے جا رہے ہیں۔ مکروہ عزائم کا پتہ دیتی ڈپلومیسی اور جنگی منصوبوں کی بو، چارٹرڈ طیاروں اور 'بریف کیسوں' سے لے کر 'بند کمروں' تک، ہر طرف سے آ رہی ہے۔

حیرت یہ ہے کہ یہاں کی اکثریت، کئی ایک دینی جماعتوں سمیت، اُس ہنگامی حالت کا رونا رو رہی ہے جو یہاں کی سیاسی دنیا کا ایک بور کن موضوع رہا ہے، اور جو کہ صرف خطے کی حالیہ صورت حال کے حوالے سے ہی کچھ قابل توجہ ہو گیا ہے.. البتہ اِس 'ہنگامی حالت' کی بابت، جو کہ امت کے وجود ہی کیلئے اس وقت ایک بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے، دوڑ دوپ کرتے دینی طبقے بہت کم دیکھے جا رہے ہیں۔

ادھر مغربی ذرائع ابلاغ کو دیکھیں تو وہ چیخ چیخ کر صرف اور صرف ایک بات سے خبر دار کر رہے ہیں اور وہ یہ کہ عالم اسلام کی بیداری اس وقت قابو سے باہر ہو رہی ہے اور یہ کہ خطے میں موجود ان کی فوجوں اور بحری بیڑوں کے پاس وقت بے حد کم ہے۔ ان کے بیشتر دانشور اپنی فوجی کارروائیوں کا دائرہ وسیع کر دینے کیلئے 'اب یا کبھی نہیں' کی دہائی مچا رہے ہیں، جبکہ ان کے کئی

تھنک ٹینکس کا کہنا ہے وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے اور یہ کہ جن اہداف کی پریشانی اب اٹھ کھڑی ہوئی ہے، خصوصاً پاکستان کے اندر پائی جانے والی اسلامی قوت اور اس قوت کے ہاتھ آ جانے والے ممکنہ اسباب وامکانات، بشمول یہاں کے ایٹمی ہتھیار.. ان سب اہداف کا صفایا ان کے نزدیک اسی پہلے ہلے میں ہو جانا چاہیئے تھا جب، نائن الیون کے بعد، عالمی رائے عامہ کے ایک بڑے حصے نے امریکہ کو پوری دنیا کے اندر ہر قسم کی کارروائی کرنے کا بلینک چیک دے دیا تھا۔ اس 'بے جا' تاخیر کے باوجود، ان کا خیال ہے، جو کچھ ممکن ہو فی الفور کر گزرا جائے۔

چنانچہ یہ ہنگامی حالات جو شمالی علاقوں میں ایک چیختی ہوئی صورت دھار چکے ہیں، ہو سکتا ہے، کسی بہت بڑے دھماکے کا پیش خیمہ ثابت ہوں۔ ایران کے خلاف کارروائی ہونے کا امکان ہمیشہ سے نہ ہونے کے برابر رہا ہے البتہ ان تیاریوں کے پردے میں شاید اب 'اور' بہت کچھ ہونے والا ہے۔

مگر چونکہ دشمن کے آپشن بے انتہا محدود ہیں اور وہ ہرگز کسی قابل رشک حالت میں نہیں، اور اس کے زخم پہلے سے خوب رس رہے ہیں.. لہٰذا ایک مناسب حکمت عملی اختیار کر کے، خصوصاً دشمن کو اس پوزیشن میں نہ آنے دے کر، جہاں وہ کسی دوسرے یا تیسرے فریق کو ہی اس موقعہ پر نمایاں اور 'توجہ کا مرکز' بنا دے اور اسی کے پردے میں چھپ کر، بلکہ پس منظر میں جا کر، ہم پر وار کرتا رہے...... دشمن کو اس پر مجبور کر کے کہ 'کچھ' بھی کرنے کیلئے وہ خود ہی سامنے آئے اور برہنہ ہو جانے کے سوا اس کے پاس یہاں کوئی چارہ نہ رہے، تاکہ اپنی ہر خباثت کا جواب وہ براہ راست پائے اور کسی اور کو اس مشکل وقت میں اپنا بوجھ اٹھوا سکے اور نہ اپنی اوٹ بنا سکے...... ایسا کر کے نہ صرف دشمن کو بے اثر کیا جا سکتا ہے، اور اس کا وہ بوجھ جس نے پہلے سے اس کی کمر دہری کر دی ہے اور بھی بڑھایا جا سکتا ہے، بلکہ اس کی ہر نئی چال کو اسی کے خلاف پلٹا جا سکتا ہے۔

لہٰذا ڈر اس سے نہیں کہ امریکہ اس جنگ کا دائرہ بڑھا دے گا، ایسا کر کے تو وہ اپنے دشمن کو پھنسانے کی بجائے خود پھنسے گا اور جس دلدل سے نکلنے کی کوئی صورت وہ پہلے ہی نہیں پاتا اپنا بوجھ بڑھا کر اسی میں اور بری طرح دھنسے گا۔ ڈر البتہ ہمیں جس بات سے ہونا چاہیئے وہ یہ کہ اس موقعہ پر امریکہ کو یہاں مقامی طور پر کچھ 'باربردار' ہاتھ آ جائیں، جس کی کہ وہ اس وقت کئی طریقوں سے کوشش

کر رہا ہے۔ ہاں اگر امریکہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اس جنگ کا دائرہ بڑھا کر وہ اپنا کام آسان اور ہمارا کام مشکل کر دے گا۔ لہٰذا اس پر چاہے ہمیں آخری درجے کا صبر کرنا پڑے، مگر، نادانستگی میں امریکہ کی یہ مدد کر بیٹھنا کہ وہ یہاں کسی اور چہرے کے پیچھے کیموفلاج ہو جائے اور ہمیں اپنی بجائے یہاں کسی اور فریق کے ساتھ الجھا دے، اور اپنا کردار صرف 'مانیٹرنگ' تک محدود رکھے، جو کہ اس کا من پسند مشغلہ ہے...... ہماری جانب سے ایک ایسی فاش غلطی ہوگی کہ ہمارا کام عشروں کے حساب سے پیچھے جا سکتا ہے اور 'روبہ زوال امریکہ' کو اسی حساب سے وقت مل سکتا ہے۔

حالیہ مرحلے کی اس نزاکت کو اگر ہم سمجھ لیتے ہیں تو پھر امریکی قبضہ کار اپنا کام بڑھائیں تو پھنستے ہیں اور نہ بڑھائیں تو بدستور مار کھاتے ہیں۔ ایک ایسے دشمن کی کوئی مدد بھلا ہم کیوں کریں جس کے پاس بھاگ جانے کے سوا کوئی آپشن باقی ہی نہیں رہ گیا ہے؟! اس کے، خطے سے نکلتے ہی، البتہ ہمارے آپشن اس قدر زیادہ اور اس قدر زبردست ہوں گے کہ معاملے کی ساری تصویر ہی بدلی جا سکتی ہے......بس ذرا صبر!

وقت ہے کہ دشمن کی غلطیوں سے اس وقت زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے، جس کیلئے البتہ یہ ضروری ہے کہ خود ان غلطیوں سے اجتناب کیا جائے جو اس وقت دشمن ہم سے کرانا چاہتا ہے!

کچھ بھی ہو، ہم اگر اپنی صفیں درست کر لینے کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں اور صبر و دانشمندی پر کاربند رہتے ہیں، تو آنے والے دن بے حد تشویشناک ہونے کے باوجود بے حد خوش آئند ہو سکتے ہیں، بلکہ ہیں، اور کیا بعید بہت سے بند راستے اس امت کی پیش قدمی کیلئے یہیں سے کھلنے والے ہوں۔ وعسىٰ أن تكرهوا شيئا وهو خير لكم وعسىٰ أن تحبوا شيئا وهو شر لكم (البقرۃ:۲۱۶) "اور کیا بعید تم کسی چیز کو ناپسند کرو جبکہ وہ تمہارے لئے خیر ہو، اور کیا بعید تم کسی چیز کو پسند کرو جبکہ وہ تمہارے لئے شر ہو"

حقیقت پسندی کا پورا التزام کرنے کے ساتھ ساتھ، اس معاملہ کی ایک خوش آئند تصویر دیکھنا، ہم سمجھتے ہیں، ہمارے نوجوانوں اور عمل کیلئے سرگرم حلقوں کا حق ہے، اور اس موقعہ پر، امت کی ایک بہت بڑی ضرورت۔ زیر نظر کتابچہ یہی تصویر دکھانے کی ایک کوشش ہے، بلکہ صحیح تر الفاظ میں،

اس امید افزا تصویر کو اپنے ماضی اور مستقبل کے ایک وسیع تر فریم میں جڑ کر دیکھنے کی ایک کوشش۔

امید ہے اس مضمون میں ہمارے یہاں کے متعدد طبقے ایک دور رس اور کثیر جہت پیغام پائیں گے۔ یہاں ہر طبقے سے ہماری درخواست ہوگی کہ وہ اس پیغام کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے میں مددگار ہو۔

ادارہ ایقاظ، اردو میں چھپنے والے ہر مجلّہ، جریدہ اور روزنامہ کو یہ دعوت دیتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہے کہ وہ یہ مضمون پورا یا اس کے منتخب حصے شائع کر کے اس پیغام کو اپنے پرچے کی وساطت زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے میں حصہ لے، البتہ ایقاظ اور اس کی ویب سائٹ کا حوالہ ساتھ ضرور دیا جائے، تا کہ اس پر ہم تبصرے یا اشکالات وغیرہ موصول کر سکیں۔ تاہم اس کو کتابی صورت میں شائع کرنا ''مطبوعات ایقاظ'' کا ہی حق رہے گا۔

اس کتاب کے چیدہ چیدہ صفحے فوٹوسٹیٹ کی صورت میں پھیلائے جانا بھی مفید ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں، ہماری ویب سائٹ سے اس کے منتخب حصے اپنے اصحاب کو فارورڈ کرنا اور زیادہ سے زیادہ فورموں تک پہنچانا اس پیغام کی اشاعت میں ممد ہوگا۔

ادارہ ایقاظ، ہنگامی بنیادوں پر، یہ کتابچہ زیادہ سے زیادہ لائبریریوں، صحافتی طبقوں، فکری حلقوں اور نجی و سرکاری شخصیات و ادارہ جات تک پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ چونکہ ادارہ کے حالیہ وسائل ایک بڑے پیمانے پر کتابچہ کی مفت ترسیل کے متحمل نہیں، لہٰذا اس سلسلہ میں ادارہ کو مالی اعانت فراہم کی جانا ان شاء اللہ ابوابِ خیر میں شمار ہوگا، جس کا طریقہ منی آرڈر ہو سکتا ہے یا ایقاظ میں دیا گیا بینک اکاؤنٹ۔

یہ کتاب آفسٹ چھپائی کے ساتھ، ادارہ ایقاظ سے مبلغ ایک صد روپے میں بذریعہ وی پی منگوائی جا سکتی ہے۔ تقسیم عام کیلئے، سستے کاغذ پر چھاپی گئی کتاب تیس روپے فی کاپی دستیاب ہوگی، البتہ ڈاک خرچ کے پیش نظر، اس سستے ایڈیشن کی کم از کم دس کاپیاں طلب کرنا لازم ہوگا۔ آفسٹ کاپی البتہ ایک بھی طلب کی جا سکتی ہے۔ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ ہوگا۔

مقدمہ

سن دو ہزار سات شروع ہوتے ہی، ہمارے کئی اسلامی خطوں کے اندر سنسنی خیز اور تشویشناک واقعات کا جو ایک نیا سلسلہ نکل کھڑا ہوا ہے، شاید وہ ایک نئے چیلنج کی شروعات ہیں اور تاریخِ عالم میں ایک نئے خوبصورت مرحلے کو روک دینے کیلئے عالمی سامراج کی جانب سے ہاتھ پیر مارنے کی ایک کوشش بھی.. اور اسلامی قیادتوں کے صبر وحوصلہ، زیرک پن اور دوررس سوچ رکھنے کا ایک کٹھن امتحان بھی۔

۲۰۰۶ء کے اواخر کو پہنچتے پہنچتے عراق اور افغانستان کی صورت حال آخری حد تک واضح کر چکی تھی کہ امریکی تسلط یہاں پر اب کوئی دیر کی بات ہے اور یہ کہ امریکہ کی تاریخ میں آئندہ ہزیمت اور پسپائی کیلئے حوالہ اب 'ویتنام' اور 'ویتنامی گوریلے' نہیں بلکہ 'عراق وافغانستان' اور 'جہاد ومجاہدین' دیئے جایا کریں گے، گو یہ حوالہ امریکی تاریخ میں جس حقیقت کیلئے ذکر ہوگا وہ 'ہزیمت وپسپائی' سے بھی بڑی اور ڈراؤنی کوئی حقیقت ہے! وہ کیا حقیقت ہے اور یہ جنگ جو اس وقت جاری ہے اس کی گرد بیٹھنے کے ساتھ دنیا کو کیا کچھ دیکھنے کو مل سکتا ہے؟ اس کیلئے اسلام اور مغرب کی اس کشمکش کے ماضی ومستقبل کی کئی جہتیں سامنے ہونا ضروری ہیں۔ یہ مضمون ان جہتوں کو نظر میں لے آنے کی ہی چھوٹی سی ایک کوشش ہے، گو اس موضوع پر مفصل لٹریچر پایا اور پھیلایا جانا بھی ضروری ہو گیا ہے اور امید ہے لکھنے والے اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ ان دنوں میں، خصوصاً آنے والے دنوں

کے اعتبار سے، یہ موضوع بلاشبہ ایک غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

یہ سوال، کہ مغرب کی ہم پر مسلط کی ہوئی اس حالیہ جنگ کے 'پسِ اختتام' دنیا کو دیکھنے کیلئے کیا سینار یو ملنے والا ہے؟ بلکہ یہ کہ مغرب کا مستقبل اب کیا ہے؟ اور عالم اسلام کو آئندہ عالمی منظرنامے میں کہاں رکھ کر دیکھا جائے؟ یہ کچھ سوال جو بڑی شدت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور جن کی بابت سوچنا تک مغرب اپنے لئے سوہانِ روح جانتا ہے، کچھ اتنے بڑے بڑے سوال ہیں کہ پچھلی دو تین صدیوں میں اتنے بڑے اور دلچسپ سوال دنیا کے اندر شاید کبھی کھڑے نہ ہوئے ہوں، حتیٰ کہ عالمی جنگوں کے خاتمے پر بھی نہیں!

اپنے گھروں سے ہزاروں میل دور، 'پردیس' کے تپتے صحراؤں اور دشوار پہاڑی سلسلوں میں یہ جنگ جاری رکھنا ان کے ناز ونعم میں پلے ہوئے جوانوں کیلئے بے حد مشکل ہو رہا ہے مگر اس جنگ کو 'ختم' سمجھنا ان کیلئے اس سے زیادہ بھیانک اور خوفناک! جس جنگ کے مابعد کا سینار یو 'موت' سے ملتی جلتی کوئی چیز ہو، اس کو آخر تک لڑنا بے حد ضروری ہو جاتا ہے!

مغرب بلاشبہ اس جنگ میں ظالم اور معتدی ہے مگر یہ جنگ اس کیلئے ہرگز کوئی عیاشی نہیں بلکہ 'مجبوری' کا درجہ رکھتی ہے۔ ایک ایسی دنیا جس میں ظالم مظلوم کو بے بس نہ پائے اور اشیا کے لین دین میں 'حساب کتاب' رکھا جانے لگے اور معاملے عدل کے ساتھ طے ہوں، الفاظ اور 'قراردادوں' سے کھیلا جانے کی بجائے حقائق کو دیکھا اور دکھایا جائے، اور کسی کے گھر میں آنے جانے اور تصرف کرنے کے باقاعدہ ''اصول'' پائے جانے لگیں.. ایک ایسی دنیا ظالم کو نری جہنم نظر آتی ہے اور وہ اس کے وجود میں آنے کو ٹال دینے کی اچھی خاصی قیمت دے دینے پر تیار ہو جاتا ہے! ایک آزاد دنیا کا تصور ستمگروں کیلئے ہرگز کسی موت سے کم نہیں!

مغرب جس چیز کو اپنے لئے 'موت' جانتا ہے، ہمارے اس مضمون کے اندر وہ اسی حوالے سے بیان ہوئی ہے۔ وگرنہ عالم اسلام کا اپنا پیغام کسی کی 'موت' نہیں۔ عالم اسلام کے پاس مغرب سمیت پوری انسانیت کو دینے کیلئے کچھ ہے تو وہ زندگی اور امن وسلامتی ہے، اس دنیا

کا سکون وسلامتی بھی اور آخرت کے ابدی جہان کا سکون وسلامتی بھی.. گو آخرت کا سکون وسلامتی "ایمان" سے مشروط ہے جس کو کسی پر مسلط نہیں کیا جا سکتا، جبکہ دنیا کے امن وسلامتی کی ضمانت اسلام ہر کسی کو دیتا ہے، خواہ کافر اور خواہ مسلم، سوائے یہ کہ کوئی شخص اسلام کے ساتھ جنگ پر، یا دنیا کے کسی بھی فریق کے ساتھ ناحق جنگ پر، ہی آخری حدتک آمادہ ہو۔

چنانچہ مغرب، جس کے پاس لڑنے کیلئے سوائے ہتھیاروں کے آج کوئی ایک بھی کارآمد چیز ایسی نہیں جو کہ جنگوں کے فیصلے کرا دینے کیلئے قوموں کی حقیقی ضرورت ہوا کرتی ہے، اس وقت جان مار کے لڑنے پر پھر بھی پوری طرح آمادہ نظر آتا ہے تو وہ کچھ اسی لئے کہ پسِ جنگ سینار یو اس کیلئے آخری حد تک ناقابل قبول ہے...... یہ ایک ایسے منظر نامے کی بحالی ہے جو دنیا میں کم از کم بھی آج سے کوئی پانچ صدیاں پیشتر پایا جاتا تھا، یعنی: دنیا کے وسط میں بیٹھا عالم اسلام آپ اپنی قسمت کا مالک ہو اور آخری آسمانی شریعت اس کے طول عرض میں حاکم ہو، جس کے ثمرات وبرکات صرف عالم اسلام نہیں پوری دنیا کو چکھنے کو مل رہے ہوں، اور گلوبلائزیشن کے اس دور میں کرۂ ارض پر جہاں کہیں بھی ظلم اور استحصال کی ماری ہوئی قومیں پائی جائیں وہ اپنی فریادرسی کیلئے قرآن پڑھنے والوں کا سہارا پھر سے اپنی دنیا میں میسر پائیں بلکہ قرآنی معاشرے ہی ان کیلئے جنت ارضی کا نقشہ پیش کرنے کو موجود ہوں!

دنیا کے توازن کا کئی صدیاں پہلے والے اس نقطے پر آ جانا آخرِ کار تو ضرور ان شاءاللہ ایک حقیقت بننے والی ہے، بلکہ نوشتۂ دیوار ہے، مگر اس نقطے کے آ جانے تک کئی دور سر کئے جانا ابھی بلا شبہہ باقی ہے۔ جب ایسا ہے تو مغرب اس کو جہاں تک ممکن ہو مؤخر یا ہمیں ہی اس سے منحرف کر دینے کی کوشش بہر حال کر سکتا ہے، جبکہ ہمیں بھی عالم اسلام کو اس قابل اور اہل بنانے کیلئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے، جس کے نہ کیا جانے کی صورت میں اس نقطہ کا ہماری زندگی میں آ جانا کئی نسل تک مؤخر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس جنگ کا آخری نتیجہ گو واضح ہے مگر بیچ کے مرحلے نہایت سنسنی خیز اور چیلنج کن ہو سکتے ہیں، بلکہ ہر دو فریق کے کام کو متاثر کر دینے میں حد درجہ اہمیت کے حامل.. اور اس جنگ کو طول دینے یا اس کو حتمی انجام تک پہنچانے پر قدرت رکھنے کے حوالے سے، بڑی حد تک فیصلہ کن۔

بلاشبہہ ایک ایسی دنیا جہاں اس امت کا تاریخی کردار پوری طرح بحال ہو اور جہاں

اس کے اپنے تاریخی منصب و مقام پہ پائے جانے کے باعث انسانی دنیا کو اپنا کھویا ہوا توازن پھر سے واپس ملے، اور نتیجتاً ہر شخص ___ کافر کیا مسلم ___ زندگی سے اپنا پورا پورا حق پائے... بلاشبہہ ایک ایسی دنیا، اپنے ظہور میں آنے کیلئے، آج ہماری اسلامی تحریکوں کے وجود میں پرزور کروٹیں لے رہی ہے اور اسی وجہ سے آج ان تحریکوں کا ہر قیمت پر خاتمہ کر دیا جانا، ظالموں کے ایجنڈے میں سرفہرست ہے۔ مگر امت کی اس بیداریِ نو (صحوۃ) کو روک دینا، لگتا ہے اب کسی کے بس کی بات نہیں رہی اور ایک بڑے تعطل کے بعد، عنقریب، یہ پھر سے جہانِ انسانی کے اندر اپنا کردار بحال کرنے والی ہے.. اور انسانیت پھر سے اس خوبصورت واقعہ کے ثمرات سے حظ اٹھانے والی ہے۔

عالم اسلام کو بلحاظِ صلاحیت اس مرحلہ کے قابل بنانا جن بنیادی خصائص کا ضرورت مند ہے اور جو کہ اصل چیلنج ہے، الگ سے ایک موضوع ہے۔ اس کے فکری و تہذیبی و سماجی پہلو اس مضمون میں ہمارا موضوع نہیں بنیں گے[1]۔ البتہ اس جنگ کے بعض سٹرٹیجک پہلو ہم اس کتابچہ کے اندر زیر بحث لائیں گے، جن پر غور و فکر سے عمل اور حکمتِ کار کی کئی ایک جہتیں ضرور واضح ہو سکیں گی۔ سب سے اہم یہ کہ اس جنگ کا تعارف اور اس کا پس منظر واضح ہو جانا بذات خود اس جنگ کے طبعی انجام کی طرف ایک پیشرفت ہے۔ اگر آپ اس سے اتفاق کریں تو اس صدا کو پھیلانے اور عام کرنے میں اپنی استطاعت کے مطابق حصہ لیجئے۔

حامد کمال الدین

(۱) اس موضوع پر گو بہت کچھ پڑھنے کو پہلے سے دستیاب ہے، البتہ ہماری مطبوعات میں اس حوالے سے محمد قطب کی کتاب 'دعوت کا منہج کیا ہو؟'، ہماری کتاب 'موحد معاشرہ نہ کہ تیسری دنیا' (جو کہ عنقریب کتابی صورت میں دستیاب ہوگی) فائدہ مند ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں ایقاظ میں شائع ہونے والے ہمارے کچھ اداریے: 'مسلم ہستی کی برآمد'، 'جہاد افغانستان کے تناظر میں'، 'وہ ذہنی تبدیلی جس کی ضرورت ہے'، 'عقیدہ سے فکر اور ثقافت تک' اور 'پندرھویں صدی کا ربع دوئم شروع ہوتا ہے'، علاوہ ازیں، مضمون: 'انتخابات میں اسلام پسندوں کی جیت'۔

'رومن ایمپائر'
کی میراث!

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن محیریز سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فارس نطحة أو نطحتان، ثم يفتحها الله، ولكن الروم ذات القرون، كلما هلك قرن قام قرن آخر"(۲)

"فارس (تمہاری) ایک ٹکر ہوگی یا (بڑی حد) دو، پھر فارس کو اللہ مفتوح کرا دے گا۔ مگر روم کے کئی سینگ ہو نگے۔ اس کا ایک سینگ ہلاک ہوگا تو ایک نیا سینگ نکل آئے گا"۔

"روم" جو کہ احادیث کے اندر مذکور ہے دراصل اسی عالمِ جبر و مشقت اور شرک و طغیان کا ایک تسلسل ہے جسے آج جدید دور کے اندر ہم 'مغرب' کے نام سے جاننے لگے ہیں۔ اسی قوم کیلئے "بنی الاصفر" کا لفظ بھی احادیث میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔

"نصرانیت" گو دنیا کی اور بہت سی اقوام میں پائی جا سکتی ہے بلکہ ہر خطے اور ہر براعظم

(۲) أخرجه ابن أبی شيبة فی المصنف (۴: ۲۰۶) والحارث بن أبی أسامة كما فی زوائد الهيثمی (۲: ۷۱۳) ونعيم بن حماد فی الفتن (۲: ۴۷۹) ومسند الحارث (۷۰۲). حدیث کی سند میں گو کچھ ضعف ہے، مگر بعض علماء (جیسے شیخ سفر الحوالی، حامد العلی وغیرہ) نے ملاحم کی دیگر احادیث سے تائید ہونے کے باعث اس حدیث کا اعتبار کیا ہے۔

میں عیسائی مذہب اختیار کر رکھنے والی اقوام پائی جاتی ہیں، اس لحاظ سے نصرانی یا عیسائی مذہب کچھ مغربی اقوام کے ساتھ خاص نہیں، اس کے باوجود ''روم'' یا ''بنی الاصفر'' (مغربی اقوام) کے ساتھ نصرانیت کو ایک خاص حوالہ اور ایک خاص نسبت رہی ہے۔

جس طرح مسلمان ''عربوں'' کے سوا بہت سی اقوام ہیں پھر بھی ''عربی'' اور ''عرب'' کو اسلام کے ساتھ ایک خاص تاریخی وتہذیبی نسبت ہے، قریب قریب اسی طرح نصرانیت کا اٹوٹ جوڑ قومِ مسیح کے ساتھ نہیں (جو کہ بلاشک وشبہہ ''بنی اسرائیل'' تھے) بلکہ ''بنی روم'' Romans یا ''بنی الاصفر'' کے ساتھ ہی معروف رہا ہے، جو کہ بذاتِ خود ایک چیز کے پٹڑی سے اتر جانے اور اپنے اصل پہ موجود نہ رہنے کی جانب اشارہ کر دینے کیلئے کافی ہے۔ دینِ توحید سے انحراف کی ساری کہانی، عیسائی تاریخ کے اندر، درحقیقت 'رومنز' Romans کی کہانی ہے۔

''روم'' اور ''بنی الاصفر'' کا ذکر ___ بطور ماضی اور بطور مستقبل کا ایک مسلسل واقعہ ___ ہمارے دین کی نصوص میں بکثرت ملتا ہے۔ ہم مثال کے طور پر یہاں اس کی ایک ایک مثال احادیث سے ذکر کریں گے:

روم:

حضرت جابر بن سمرہ کی حدیث جو کہ سنن ابن ماجہ اور مسند احمد میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ آئی ہے:

تقاتلون جزيرة العرب فيفتحها الله لكم، ثم تقاتلون فارس فيفتحها الله لكم، ثم تقاتلون الروم فيفتحها الله لكم، ثم تقاتلون الدجال فيفتحه الله لكم .. قال فقال جابر: لا يخرج الدجال حتىٰ يفتتح الروم. [٣]

''تم جزیرہ عرب سے قتال کرو گے آخر اللہ اسے تمہارے لئے فتح کرا دے گا، پھر تم

---

(٣) سنن ابن ماجة: كتاب الفتن، باب الملاحم..
ومسند أحمد: مسند العشرة المبشرة، مسند أبي اسحاق سعد بن أبي وقاص

فارس سے قتال کرو گے آخر اللہ اسے تمہارے لئے فتح کراوے گا، پھر تم روم سے قتال کرو گے آخر اللہ اسے تمہارے لئے فتح کراوے گا، پھر تم دجال سے قتال کرو گے آخر اللہ اسے تمہارے لئے فتح کراوے گا"...

(حدیث کے راوی) کہتے ہیں: تب جابرؓ نے کہا: "دجال اس وقت تک نہ نکلے گا جب تک روم (اہل اسلام کے ہاتھوں) فتح نہ ہو جائے" (۴)

بنی الاصفر:

بخاری میں عوف بن مالکؓ کی حدیث کے یہ الفاظ:

ثم تكون هدنة بينكم وبين بني الأصفر، فيغدرون، فيأتونكم تحت ثمانين غاية، تحت كل غاية اثنا عشر ألفا(۵)

"پھر تمہارے اور بنی الاصفر کے مابین ایک متارکۂ جنگ ہوگا، (جس کے معاملہ میں) وہ غدر کریں گے، تب وہ تم پر (چڑھائی کرنے کیلئے) اسی (۸۰) پرچموں تلے آئیں گے، ہر

---

(۴) حضرت جابرؓ کا یہ قول ہمارے ان اصحاب کیلئے قابل توجہ ہے جو روم (مغرب) کی فتح سے پہلے ہی دجال کے نکل آنے کا امکان ظاہر کرتے اور ایک قسم کی یاسیت پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ حضرت جابرؓ کا یہ قول براہِ راست حدیث سے استدلال ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ زمانۂ خروج دجال سے پہلے اللہ کے فضل سے ایک زمانہ آنا ابھی باقی ہے جس میں امت اسلام کو ایک بہت بڑی اٹھان ملے گی یہاں تک کہ روم (یورپ کا سنٹر یا پھر پورا عالم مغرب) فتح ہو چکا ہوگا۔

(۵) البخاري: كتاب الجزية، باب ما يحذر من الغدر، عن عوف بن مالك

بخاری کی مشہور شرح فتح الباری میں امام ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

(هدنة، هي الصلح علىٰ ترك القتال، بعد التحرك فيه، بني الأصفر: هم الروم) "ہدنہ (متارکۂ جنگ) اس اتفاق کو کہتے ہیں جو جنگ روک دینے پر (طرفین کے مابین) ہو، بعد اس کے کہ جنگ کے معاملہ میں پیشرفت ہو چکی ہو"۔ (جبکہ) 'بنی الاصفر' سے مراد ہیں: رومن" (دیکھیے فتح الباری، بہ ذیل مذکورہ حدیث)

پرچم تلے بارہ ہزار (فوجی) ہوں گے"

چنانچہ "روم"، یا "بنی الاصفر" ایک اصطلاح ہے جو کئی ایک شرعی نصوص کے اندر وارد ہوئی ہے۔ ہماری اسلامی تاریخ "روم" و "بنی الاصفر" کے ذکر سے بھری ہوئی ہے۔ زمانۂ آخر کے اندر جو ملاحم (تاریخی انسانی کے کچھ عظیم ترین معارک) اہل اسلام کے لشکر ہائے روم کے ساتھ برپا ہوں گے، اور جن پر ہمارے مستند دینی مصادر کے اندر بے شمار پیشنگوئیاں پائی جاتی ہیں، وہ الگ ہمارے سامنے ہیں۔

جتنا جوش وخروش صحابہ وتابعین کے دور میں 'روم' کے خلاف جہاد میں رہا اور جس قدر عظیم المرتبت صحابہ روم کے ساتھ جہاد میں شامل رہے ویسا شرف جہاد کے کسی اور میدان کو حاصل نہیں رہا۔ خلیفۂ اول ابوبکرؓ کا قول مشہور ہے کہ "روم کی ایک چوکی فتح کرنا مجھے فارس کا پورا ایک شہر فتح کرنے کی نسبت عزیز تر ہے"

قیصرِ روم کے پایۂ تخت کے خلاف اہلِ اسلام کی پہلی فوجی مہم کی خاص فضیلت احادیث کے اندر وارد ہوتی ہے، یعنی اس مہم میں شریک لشکرِ اسلام سارا بخشش یافتہ ہوگا:

امام بخاری کتاب الجهاد والسير میں باب ما قيل في قتال الروم[٦] کے تحت حدیث لائے ہیں:

عن أم حرام أنها سمعت النبي ﷺ يقول: "أول جيش من امتي يغزون البحر قد أوجبوا!" قالت أم حرام: قلت: يا رسول الله أنا فيهم؟ قال: "أنتِ فيهم" ثم قال النبي ﷺ: "اول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم" فقلت: أنا فيهم يا رسول الله؟ قال: "لا"

"ام حرامؓ روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: "میری اُمت کا وہ پہلا

---

(٦) البخاری: ٢٨٥٧، باب: "روم کے ساتھ قتال کی بابت جو وارد ہوا"

لشکر جو سمندر (کے راستے) جہاد کرے گا وہ (جنت کا) مستحق ہوا" ام حرام کہتی ہیں: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! کیا میں ان میں ہوں گی؟ آپؐ نے فرمایا "تم ان میں ہوگی" پھر نبی ﷺ نے فرمایا: "میری اُمت کا وہ پہلا لشکر جو قیصر روم کے پایہ تخت (قسطنطینیہ) پہ مہم جوئی کرے گا، بخشا جائے گا" میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ: کیا میں ان میں ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں"۔

روم Romans کے مرکز پر پہلی اسلامی مہم کی بابت حدیث میں مذکور اس فضیلت کو پانے کیلئے ابوایوب انصاریؓ اپنے بڑھاپے کی پروا کئے بغیر شاملِ لشکر ہو جاتے ہیں اور پایہ تختِ قیصر کی فصیلوں کے باہر ہی اپنی طبعی موت ہو جانے کے بعد مدفون ہو جاتے ہیں۔ آج بھی جو کوئی انقرہ استنبول (ترکی) کی سیر کرنے جاتا ہے وہ مدینہ سے آئے ہوئے اس صحابی کی قبر دیکھ سکتا ہے......

بہت ضروری ہے کہ خود ہم آج وہ معرکہ اپنی نظر میں کر لیں جو ملتِ 'روم' ہمارے خلاف اس وقت لڑ رہی ہے اور جس میں ہم میں سے بہت کم لوگ ابھی شریک ہیں بلکہ بہت کم لوگ اس سے ابھی واقف، اور جو کہ شاید اب ایک بے حد فیصلہ کن موڑ پر پہنچ چکا ہے۔

☆☆☆☆☆

ملتِ روم

تاریخی وجغرافیائی پسِ منظر

کوئی اگر سوال کرے کہ وہ کونسی قوم ہے جس کے ساتھ پچھلے چودہ سو سال سے عالمِ اسلام کی مسلسل جنگ ہورہی ہے، بغیر اس کے کہ اس جنگ میں کوئی ایک دن کا بھی وقفہ آپایا ہو، تو اس کے جواب میں 'روم' کے علاوہ شاید آپ کسی بھی قوم کا نام نہ لے سکیں! تو پھر کیا یہ ضروری نہیں کہ اس جنگ کا نقشہ جو آج بھی نہیں رکی بلکہ ہمارے خلاف انکی یہ جنگ آج ایک بھیانک ترین رخ اختیار کرچکی ہے، ملت کے کسی فرد کی نگاہ سے روپوش نہ رہے؟

تاریخی طور پر گو 'روم' ایک گوری قوم ہے جس کا اصل وطن جزیرہ نمائے اٹلی ہے، وہی خطہ جس کے اندر ویٹی کن کا عالمی کیتھولک سکرٹریٹ پوری دنیا کے اندر صلیب لہرانے کے عالمی مشن کی نگرانی پر تعینات ہے۔ جبکہ 'بنی الاصفر' کا لفظ قریب قریب ان سب اقوام کو شامل ہے جن کی تاریخ یورپ اور عیسائیت سے وابستہ ہے۔ اس وسیع تر استعمال کی رو سے صرف 'اٹلی' نہیں بلکہ وہ سب گوری اقوام جو سینٹ پال کی مسخ کردہ عیسائیت کی نام لیوا ہیں، ان پر لفظِ 'روم' کا ہی اطلاق ہوتا ہے۔

احادیث کے اندر 'روم' کے کئی سینگ بتائے گئے ہیں، کہ جب ایک سینگ جھڑے تو انکا ایک اور سینگ کہیں سے برآمد ہو جائے گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت اقوامِ روم کا وہ کونسا

'سینگ' ہے جو عالمِ اسلام کو چیلنج دینے کے لئے اس وقت 'روم' کے سر پر لہرا رہا ہے اور قدسیانِ اسلام کی جان لینے کے درپے ہے؟

بنیادی طور پر یورپ ایک بہت چھوٹا سا براعظم ہے، جو کہ بہت صدیاں پہلے وہاں بسنے والی گوری اقوام کیلئے تنگ پڑ گیا تھا۔ طبعی بات تھی کہ یہ اقوام اپنے مسکن کیلئے نئے خطوں کی دریافت کیلئے اٹھ کھڑی ہوتیں۔

کئی ایک مؤرخین نے سلطنتِ عثمانیہ کے جو متعدد مناقب ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عین اس وقت جب یورپی اقوام اپنے گھروں کی تنگی کے باعث نئے خطوں کی تلاش میں تھیں، جبکہ ان اقوام کو جو قریب ترین ہمسایہ پڑتا تھا وہ سب کی سب مسلم عرب اقوام تھیں جن کی زمینیں ہتھیانے کیلئے ان یورپی اقوام کو صرف بحرابیض پار کر کے آنا پڑتا.. اور بلاشبہ یہ توسیع پسند قومیں اپنی بڑھتی ہوئی آبادیوں کیلئے شام، مصر، لیبیا، الجزائر، تیونس، مراکش اور ان کے مابعد پائے جانے والے ان سب وسیع وعریض اور زرخیز خطوں پر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی بھی رہیں، مگر یہاں چڑھ آنے کیلئے ان کو ہمت اس لئے نہیں پڑ رہی تھی کہ ان کو مار بھگانے کیلئے ایک مضبوط وتوانا خلافت موجود تھی، جو نہ صرف ان کو 'مشرقِ وسطیٰ' اور شمالی افریقہ کی طرف میلی آنکھ اٹھا کر دیکھنے نہ دیتی تھی بلکہ پورا یورپ افواجِ خلافت کی دھمک سے لرز رہا تھا بلکہ آدھا یورپ تو اس کے ہاتھوں تاراج ہو چکا تھا۔

بحرابیض جس کو ابن خلدون 'وہ حوض جس کے گرد تہذیب گھومتی رہی' کا نام دیتا ہے، گویا اس وقت خلافت کی جاگیر تھی اور اس میں کوئی اس کی اجازت کے بغیر پر نہ مار سکتا تھا۔ دنیا کے آباد شدہ سب خطوں تک یورپ کا راستہ وہیں سے گزرتا تھا یا پھر ایشیائے کوچک کی خشکی (حالیہ ترکی) سے جس پر کہ عثمانیوں کی اپنی خلافت قائم تھی، وگرنہ بحراوقیانوس Atlantic Ocean میں پورے براعظم افریقہ کے اوپر سے ہزاروں میل کا ایک طویل چکر کاٹنا پڑتا تھا جہاں سے فوجی مہمات گزارنا تو قریب قریب ناممکنات میں تھا۔ نتیجتاً یورپ پوری دنیا سے

کٹ کر اپنے اسی چھوٹے سے خطے میں محدود اور دبک کر پڑا تھا۔ کسی کے ہنستے بستے سجے سجائے گھر پر قبضہ کرنا تب بڑے ہی جان جوکھوں کا کام تھا!

آخر کار مغربی اقوام کو 'نئی دنیا' کا رخ کرنا پڑا، جو کہ کسی حد تک اُس وقت کے بیابان کہلا سکتے تھے۔ آج کا امریکہ (قریب قریب پورا شمالی براعظم)، علاوہ ازیں آسٹریلیا (قریب قریب پورا براعظم)، نیوزی لینڈ اور کئی دیگر خطے جن اقوام کا مسکن ہیں وہ یہی یورپی اقوام ہیں جو یورپ کی پوری تاریخ بمع بائبل وصلیب اٹھائے آج یہاں مالکوں کی طرح براجمان ہیں!

خدا کا شکر کیجئے کہ تب خلافت تھی اور اسی وجہ سے ہمارا ذکر تاریخ کے اندر 'ریڈ انڈین اقوام' کی طرز پر نہیں ہوتا۔ البتہ 'تہذیب' کی دعویدار ان اقوام کی نظر میں کوئی بھی غیر قوم، جو ایک زرخیز ملک رکھتی ہو اور قدرتی وسائل سے لبریز سرزمین کی مالک ہو، صرف اور صرف 'ریڈ انڈین' کے طور پر دیکھی جاتی ہے! اپنے گھروں کے پھاٹک کھولنے والوں کو 'تہذیب' کے ان نام لیواؤں کی خیر سگالی بالآخر کتنی مہنگی پڑتی ہے، اس کیلئے ان اقوام کی تاریخ پڑھیے جو بڑی حد تک اب صرف 'تاریخ' میں ہی ملتی ہیں اور خاصی حد تک اب صرف 'انتھروپالوجی' کا موضوع ہیں۔

ایک باعزت تاریخ رکھنے کیلئے آپ کو ایسے آباء سے نسبت چاہیے جو اپنی آئندہ نسلوں کیلئے اپنی میراث کا تحفظ یقینی بنانے کے معاملہ میں آخری حد تک بے لحاظ ہوں اور جو کسی کی 'میزبانی' میں فیاضی کی اس حد تک چلے جانے پر تیار نہ ہوں کہ بالآخر اپنا گھر بھی باہر والوں کے حوالے کر دیں جہاں ان کی نسلیں پھر اگر رہنے کی 'اجازت' پائیں بھی تو 'کرایہ دار' بن کر!

البتہ آج ہم اپنے آپ کو اپنی آنے والی نسلوں کیلئے کس قسم کے 'آباء' پاتے ہیں اور اپنی نسلوں تک ان کی امانت پہنچانے کا کیا انتظام کرتے ہیں، جہاں ہمارے روشن خیالوں نے ملکوں کے نہیں ذہنوں کے پھاٹک تک چوپٹ کھول دیئے ہیں...... آج کی اس جنگ میں، جس کو تہذیبوں کی جنگ کہا جاتا ہے، ہم اپنے وجود کے تحفظ کیلئے کیا پوزیشن لیتے ہیں، ریڈ انڈینز کی تاریخ، خصوصاً ریڈ انڈینز کے گورے 'مہمانوں' کی تاریخ پڑھتے ہوئے، ایک نظر اس پہلو سے ڈالنا بھی ہرگز نہ بھولیے گا!

پس ''اقوامِ روم'' کو ان کے دین، تاریخ اور تہذیب سمیت شناخت کرنا ہو تو اس کیلئے آج آپکو صرف 'یورپ' کی جانب ہی نظر نہیں اٹھانا ہوتی بلکہ دنیا کے کئی اور خطوں کی جانب بھی اسی طرح دیکھنا ہوتا ہے جس طرح کہ آج سے پانچ سات صدیاں پیشتر آپ کو صرف 'یورپ' کو دیکھنا ہوتا تھا۔ 'ملتِ روم' یقیناً اس سے بڑھ کر اب 'امریکہ' سے 'آسٹریلیا' تک جاتی ہے۔

اپنے بہت سے تاریخی خصائص ان اقوام کو آج تک نہیں بھولے۔ ہمارے خلاف آنے والی فوجوں میں آپ ''ملتِ روم'' کی کسی قوم کا جھنڈا آج مفقود نہ پائیں گے۔ چاہے علامتی طور پر چند فوجی بھیجے مگر 'مقدس جنگوں' میں شمولیت کے تمغہ سے محروم رہ جانا 'بنی الاصفر' کی کسی قوم کو آج اس 'سیکولر' دور میں بھی قبول نہیں ('سیکولرزم' کی یہ احمقانہ قسم صرف ہمارے لئے ہے!)۔ البتہ ان کی ان 'مقدس جنگوں'، جن کا دوسرا نام صلیبی جنگیں ہیں، کے بالمقابل کتنے 'مسلم ملک' ہیں جو 'علامتی طور پر' ہی اپنے پائے جانے کا یہاں ثبوت دے لیں؟ ان صلیبی پھریروں کے مدمقابل آنا تو خیر دل گردے کی بات ہے، کتنے مسلم ملک ہیں جو اپنی ''اللہ اکبر'' کی نعرہ بردار افواج کو ان صلیبیوں کے شانہ بشانہ 'مسلم باغیوں' کی گوشمالی کیلئے چاک وچوبند رکھے ہوئے نہیں؟ 'معزز' مہمانوں کا اتنا خیر مقدم تو ہمارے ایمان فروش پہلی صلیبی جنگوں کے موقعہ پر نہ کر پائے تھے!

کہاں خلافت جو ان اچکوں کو دور سے مار بھگایا کرتی تھی اور کہاں آج کے یہ قومی راجواڑے جو ان صلیبی پھریروں کے نیچ پیادوں میں نام درج کروانے کیلئے اور ان کے رتھوں کی راہ سے 'رکاوٹیں' ہٹانے کیلئے 'کسی بھی قربانی سے ہرگز دریغ نہ کرنے' کا عزم بار بار یوں دہراتے ہیں جیسے ایک مخلص عبادت گزار مسلسل ورد کرتا ہے اور اپنے صبح شام کے 'وظائف' میں کبھی ایک بار کا انقطاع آنے نہیں دیتا! ابھی ہمارے کچھ نکتہ وروں کو اصرار ہے کہ ان راجواڑوں کو اب 'خلافت' اور 'دارالاسلام' اور 'الجماعۃ' ہی کا قائم مقام جانا جائے اور امتِ اسلام کو بقیہ عمر بس اب اسی 'یو این' سے منظوری یافتہ 'آئی ایم ایف' کے باج گزار انتظام پر قناعت کروائی جائے، کہ ان کے خیال میں خدا کا اس امت کے ساتھ وعدۂ نصرت (اس شرط پر کہ خود یہ خدا کی نصرت پہ کمربستہ ہو) بس ایک ہی بار کے لئے تھا، جس کی میعاد ان کے بقول اب

ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہے!

☆☆☆☆☆

تہذیبی وفکری پسِ منظر

ہم عالمِ اسلام پر اللہ کا یہ فضل ہے کہ اپنے تہذیبی وفکری وجود کا آغاز ہم ''اسلام'' سے ہی کرتے ہیں اور اپنی تاریخی شناخت انبیاءِ کرام سے ہی وابستہ رکھتے ہیں۔ نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت سے ماقبل عرب زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو صرف اور صرف 'زمانۂ جاہلیت' کے عنوان کے تحت۔

ہم اگر ہند کی اقوام ہیں تو ہندو آبا کے ساتھ ہم ___ بطورِ مسلمان ___ اپنا رشتۂ شناخت ہمیشہ کیلئے ختم کر چکے ہیں بلکہ ان سب ناطوں کو کالعدم کر لینے پر بے حد فخر محسوس کرتے ہیں۔ زمزم کا ایک قطرہ ہمیں گنگا و جمنا اور راوی وسندھ کے شمال تا جنوب سے عزیز تر ہے۔ خاکِ بطحا ہمیشہ کیلئے اب ہماری آنکھ کا سرمہ ہے۔ 'کاغان' ہو یا 'مہران'، ہمارا ایک بے دین سے بے دین بھی خواجۂ یثربؐ سے تعلق رکھنے کا یہی تقاضا جانتا ہے۔

یہی حال سب کی سب مسلم اقوام کا ہے۔ مسلمانانِ مصر، فراعنہ کی تہذیب پر لعنت ہی بھیجتے ہیں۔ اسلامیانِ عراق، بابل کی تہذیب کو صرف کھنڈروں کی صورت میں ہی دیکھنے کے روادار ہیں۔ شام اپنے سب ماقبل اسلام رشتے یکسر بھلا چکا ہے۔ افغانستان میں بدھا کے مجسموں کو ڈائنامائٹ سے اڑتے دیکھنا یہاں کے 'باشندوں' کو بہت بھلا لگا تھا! مراکش سے لے

کر انڈونیشیا تک اسلام ہی سے رشتہ جوڑ رکھنے پر پورا پورا اتفاق پایا جاتا ہے۔ ''اسلام'' ہی اب ان سب اقوام کا باپ ہے اور اسلام ہی ان کا نسب۔

بے شک وہ اس سبب سے ہم پر بے حد جلتے بھنتے ہیں اور ہمارے اندر کچھ انتھروپالوجسٹ پیدا کرنے کی مسلسل کوشش میں رہے ہیں جو ہمیں ایک نئے سرے سے ہمارا 'نسب' پڑھائیں اور ''آسمان'' سے ہمارا رشتہ کاٹ کر از سرِ نو 'زمین' کے ساتھ جوڑ دیں مگر انہیں معلوم ہے دو سو سال تک ہمیں پڑھا لینے کے بعد بھی وہ ہمیں یہ سبق یاد نہ کرا سکے اور ایسے 'لائق' شاگرد جوان کا پڑھایا ہوا سبق یاد کر لیں ہمارے مابین حد درجہ گنے چنے ہیں اور اس قدر طاقتور ذرائعِ ابلاغ رکھنے کے باوجود انکی منحنی آواز تو اذانوں کی اس پنج وقتہ گونج میں یہاں بالکل ہی دب کر رہ جاتی ہے...... اس پر ہم جتنا بھی خدا کا شکر کر سکیں سچ یہ ہے کہ کم ہے۔

البتہ ''ملتِ روم'' کا معاملہ اس سے مختلف ہے، خصوصاً آج کے دور میں جب تاریخ میں اپنی جڑیں تلاش کرنے کی ضرورت قوموں کے مابین بے حد اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ یہ اپنے وجود کا آغاز ''دین'' سے کرتے ہیں اور نہ اپنے ''دورِ ماقبل دین'' کا ذکر 'زمانۂ جاہلیت' کے طور پر کرتے ہیں۔ یہ اس کے متحمل ہی نہیں! بلاشبہ 'عیسائیت' سے اپنی تاریخی وابستگی کو یہ اپنی پہنچان بنا کر رکھتے ہیں اور صلیبی تعصب کا جہاں موقعہ ملے وہیں اس کا بھرپور ثبوت دیتے ہیں، پھر بھی اپنی تاریخی شناخت کے معاملہ میں 'عیسائیت' ان کے ہاں ایک اضافہ addition ہے نہ کہ شناخت کی کلی بنیاد۔ اپنے تہذیبی وجود کے معاملہ میں یہ 'عیسائیت' کو کوئی 'نقطۂ ابتدا' بہرحال نہیں مانتے بلکہ اس باب میں تاریخ کے پردے ہٹاتے ہوئے 'عیسائیت' سے ماقبل ادوار میں بھی یہ اسی جذب و کیف کے ساتھ جاتے ہیں جس شوق و سرور کے ساتھ یہ اپنے وجود کی 'مذہبی جہتوں' کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں یہ اپنے تہذیبی وجود کو یونان کے کھنڈروں میں آج بھی پورے

ذوق وشوق کے ساتھ ڈھونڈتے ہیں اور اپنا تاریخی آغاز قریب قریب وہیں سے کراتے ہیں۔ یونان کی دیومالا (خرافات) Greek mythology میں یہ 'علم وحکمت' کے موتی عین اسی طرح تلاش کرتے ہیں جس طرح علمِ غیب کے باب میں ہمارے یہاں انبیاء کی سچی داستانیں پورے ضبط کے ساتھ نقل ہوتی ہیں۔ یونانی اور رومانی دیوتاؤں کے نام قریب قریب ان کو اسی طرح یاد ہوتے ہیں (بلکہ ہمارے انگلش لٹریچر ڈیپارٹمنٹوں میں ازبر کرائے جاتے ہیں!) اور پیر پیر پر ان کے حوالے اور استشہادات ان کے ہاں اسی طرح ذکر ہوتے ہیں جس طرح ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ! ہفتے کے دن اور مہینوں کے نام ان کے ہاں آج بھی یونانی اور رومانی خداؤں سے منسوب ہیں۔ وثنیت idolatory پر مبنی بہت سے گریک اور رومن تہوار آج بھی ان کے ہاں پورے جوش وخروش کے ساتھ منائے جاتے ہیں اور ان کا ایک پوری وابستگی کے ساتھ چرچا ہوتا ہے۔

چنانچہ آج کا مغرب اپنی تاریخِ پیدائش صرف 'یسوع مسیح' اور 'کنواری مریم' اور 'روح القدس' وغیرہ ابواب میں نہیں ڈھونڈتا۔ 'یسوع مسیح' ان کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ضرور ہے جس کے ساتھ شہنشاہ قسطنطین کے قبولِ عیسائیت نے ان کا ایک پیوند لگوا دیا ہے مگر ان کا تہذیبی وثقافتی وجود پورے ایک تسلسل کے ساتھ بلاشبہ اس سے پیچھے تک جاتا ہے اور ان کے فخر واعزاز کی اکثر بنیادیں بت پرست رومن ایمپائر کے ملبے میں ہی پڑی ہیں بلکہ رومن ایمپائر کی تعمیر میں جس یونانی تہذیب کا اینٹ گارا استعمال ہوا وہ مواد بھی اپنی تہذیبی وعمرانی شناخت کروانے کیلئے ان کے ہاں اتنا ہی کارآمد ہے جتنا کہ 'مذہبی' پہنچان کروانے کے لئے سینٹ پال کے دیئے ہوئے چرچ اور صلیب کا مواد۔

بنیادی طور پر آج کا مغرب اپنے فکری وجود اور پہنچان کے معاملہ میں چار بنیادوں پر کھڑا ہے:

۱- یونانی فلسفہ وافکار کے ساتھ انکی ایک تہذیبی نسبت، بلکہ اس پر حد درجہ فخر۔

۲- رومن طنطنہ وجبروت اور شہوتِ تسلط کی نا قابلِ تسکین ذہنیت،

(جبکہ وثنیت اور مشرکانہ پسِ منظر رکھنے میں یونان و روم ہر دو کی تاریخ کے ساتھ مغرب کے تحت الشعور میں بیٹھی ایک تاریخی وابستگی)۔

۳- عیسائی عنصر کی آمیزش، یعنی بائبل پر دھرم اور صلیب سے وفاداری

۴- جبکہ چوتھا عنصر ہے جدید الحاد اور انسانی خدائی کی نئی نئی صورتوں کی دریافت۔

آئندہ صفحات میں ہم ان چاروں پہلوؤں پر علیحدہ علیحدہ کچھ گفتگو کریں گے......

☆☆☆☆☆

عنصرِ اول:

تہذیبِ یونان

جس سے کہ مغرب کا اصل خمیر اٹھا ہے۔ یونانی فلسفہ وافکار کے ساتھ بنی الاصفر ایک خاص تہذیبی نسبت رکھتے ہیں بلکہ اس پر کچھ اس انداز کا فخر کرتے ہیں کہ گویا عقل وشعور اور فکر و دانائی کا استعمال تاریخِ انسانی کے اندر فلاسفۂ یونان ہی کی چھوڑی ہوئی یادگار ہے اور پوری انسانی دنیا ذہن کی غذا پانے کے معاملہ میں صرف اور صرف اسی پہ انحصار کرنے کیلئے آخری حد تک محتاج ہے! دوسرے لفظوں میں عقل ومنطق کا استعمال مغرب کے بڑوں کے سوا دنیا کے اندر آج تک کسی کے آبا نے گویا کیا ہی نہیں!

چونکہ یونان کے فکری اثاثہ جات بعدازاں آپ سے آپ 'رومیا' لئے گئے، لہٰذا اس کے ساتھ اپنا نسب جوڑنے میں ان کو کوئی بھی دقت پیش نہیں آتی، خصوصا جبکہ جغرافیائی طور پر فرزندانِ یورپ کو آبائے یونان پر ناز کرنے کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ رومن ایمپائر کے عالیشان نشاناتِ شان وشوکت پر۔

جہاں تک ان کی تہذیب کے اس پہلے عنصر کا تعلق ہے، اور جو کہ اس کے چوتھے عنصر

کیلئے اساس فراہم کرتا ہے، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، تو وہ دراصل دینِ انبیا کے ساتھ تعارض ہے۔ خصوصاً یہ کہ تنزیلِ خداوندی کو ذہنِ انسانی کے معیار سے فروتر جاننا اور حقائق کے تعین کے لئے عقلی ٹامک ٹوئیوں کو صائب تر طریق ماننا۔ پھر یہ کہ اسی جہالت کو تقاضائے دانش جاننا اور عالمِ غیب کو اپنے ہی محدود سے اندازوں کے اندر محصور جاننا۔

جیسا کہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ کے قول سے اس بات کی تائید ہوتی ہے یونانی فلسفہ کی ترقی وافزودگی، جس پر مغرب اتراتا ہے، اس زمانہ سے تھوڑی بعد ہوتی ہے جب ارضِ شام و بیت المقدس کے اندر نبوتوں کا تانتا باندھ دیا گیا تھا، یعنی پیدائشِ مسیحؑ سے چند صدیاں پیشتر کا زمانہ، جو کہ موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد آتا ہے، جبکہ قرآن میں واضح کیا گیا ہے کہ ارض شام و فلسطین میں اس دور کے اندر انبیاء کی ایک بہت بڑی تعداد مبعوث کی گئی تھی۔ یونان کے فلاسفہ کی ایک تعداد ایسی رہی ہے جو بحرابیض کا حوض پار کر کے ارضِ انبیا میں آتی اور یہاں سے حکمت اور دانش کی خبر پاتی رہی۔ ان میں ایسے لوگوں کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں جو انبیا پر ایمان سے مالا مال ہو کر یونان لوٹتے رہے، جس سے علم و دانش کی کچھ روشنی ان کے ساتھ یورپ کے اس تاریک جزیرہ نما تک بھی پہنچ جاتی رہی۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ بحرابیض کے مشرقی وجنوبی کناروں پر مسلسل نبوت کی اتنی قندیلیں جلیں اور تھوڑی بھی روشنی اس کے دوسری پار نہ پہنچے، جبکہ تہذیب اپنے اس نقطہ پر بہت دیر سے پہنچ چکی تھی جہاں قوموں کے مابین خوب آمد ورفت ہونے لگی تھی اور تبادلۂ علوم وتجارب بھی بکثرت ہونے لگا تھا؟

البتہ اس روشنی کے اندر یہ اپنی جہالت کی آمیزش بھی بہر حال کرتے رہے۔ چنانچہ جہاں تک یونانی علوم وفلسفہ جات میں کوئی ایجابی پہلو ہے اور خصوصاً اگر یورپ میں عقل کے استعمال اور قوائے استدلال واستنباط کو 'پہلی بار' کارآمد بنانے کی ایک سنجیدہ کوشش کا معاملہ ہے تو اس کا سہرا انتقالِ علم وحکمت کے اس عمل کو جاتا ہے جس کا مصدر ارضِ انبیا رہی ہے۔ البتہ جہاں تک ان فلاسفہ کا عقل کو مستقل بالذات بنا کر حدودِ انسانی سے تجاوز کر جانا ہے اور جو کہ فلاسفۂ

یونان کا بالآخر امتیاز ٹھہرا، تو یہ خدائی ہدایت کے بالمقابل وہ انسانی سرکشی ہے اور دینِ انبیا سے 'عقل' اور 'دانش' کے نام پر انسان کا وہ جاہلانہ تصادم ہے جو آج بھی مغربی تہذیب کا عنصر اولین مانا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

عنصرِ دوم:

رومن شہوتِ قبضہ و جبر

جہاں تک مغرب کی فکری وتہذیبی شناخت کے دوسرے عنصر کا تعلق ہے، یعنی اس کا رومن پسِ منظر...... تو تاریخ سے باخبر لوگوں کیلئے 'روم' Romans دنیا کی ایک ایسی قدیم ترین داستان کا نام ہے جس کو دنیا اب جا کر 'استعمار' colonialism کے لفظ سے تعبیر کرنے لگی ہے۔ دوسری قوموں کو اپنے زیر نگین لا کر رکھنا اور ان کو ہر گز نہ اٹھنے دینا...... انکے وسائل، انکی افواج، ان کے جوان گبھرو، ان کے کھیت کھلیان، ان کے حکمران اور ان کے لیڈر سب کو اپنے یہاں گروی رکھنا...... ان کو اپنے تاج وتخت کا وفادار خدمتگار بنا کر رکھنا...... بلکہ اس عمل کو ایک منظم ادارے کی صورت دے رکھنا...... یہ دنیا کے اندر 'روم' ہی کی متعارف کردہ سوغات ہے۔

اس سے پہلے قومیں تاراج ہوتی رہیں مگر 'کالونیاں' نہ بنائی گئیں۔ 'مہذب دنیا' کے اندر یہ رومان ہی کی جاری کردہ سنتِ خبیثہ ہے۔ اس استعماری عمل میں دنیا کے اندر اگر کوئی دس بارہ صدیوں کا تعطل آیا رہا تو اس کی وجہ ان کی نیکی نہیں بے بسی تھی، کیونکہ دنیا کا ایک بڑا حصہ اس دوران اُمت محمدیہ ؐ کے زیر نگین آ گیا تھا جس کے باعث یہ توحید کا گہوارہ بن گیا تھا اور عدل

وانصاف اور امن کی قلمرو۔ آپ ہنسیں گے یہی وہ دور ہے جو 'اقوامِ روم' کی تاریخ میں 'دورہائے تاریک' Dark Ages کے نام سے جانا جاتا ہے!

البتہ اس امت کے اپنے فرض سے غافل پڑنے کی دیر تھی کہ 'وارثانِ روم' دنیا کے ایک بڑے حصے کو 'تیسری' دنیا میں تبدیل کر دینے کیلئے پھر اس پر چڑھ دوڑے اور آج تک اس میں اودھم مچاتے پھر رہے ہیں۔

دنیا میں افراد کو غلام بنا رکھنے کا رواج تو واقعی بہت پرانا ہے اور شاید ہر جگہ رائج رہا ہے مگر قوموں کی قومیں غلام بنا رکھنا ایک باقاعدہ نظام کی صورت میں اس بڑی سطح پر 'رومن ایمپائر' ہی کی یادگار ہے خواہ وہ عیسائیت قبول کرنے سے پہلے ہو یا بعد میں۔ یہ یادگار، آزادی کے مجسمے جگہ جگہ نصب کرنے والی ان اقوام کو آج بھی بہت عزیز ہے!

☆☆☆☆☆

عنصرِ سوم:

شرک اور عیسائیت کا مسخ

اب آیئے بنی الاصفر کے فکری وجود کے تیسرے عنصر کی طرف...

دین اور تہذیب کی تاریخ سے باخبر لوگوں کیلئے 'رومنز' ایک مذہبی شب خون کا بھی عنوان رہا ہے اور یہ ہے دینِ مسیحؑ کا، جو کہ توحید کا ایک خوبصورت درس تھا، بت پرستی کے ہاتھوں یرغمال کرلیا جانا۔ دینِ توحید میں فاتحانہ بلکہ شہنشاہانہ داخل ہونا بلکہ شرک کے پلید جوتوں سمیت داخل ہونا اور پھر اس پر بھی 'تیسری دنیا' سمجھ کر قابض ہو جانا...... یہاں تک کہ دینِ توحید سے توحید اور موحدین ہی کو بے دخل کر دینا اور شرک کو بالآخر ایک آسمانی شریعت کا باقاعدہ عنوان ٹھہرا دینا...... 'روم' کی تاریخ کا یہ بھی ایک بے حد تاریک مگر نمایاں پہلو ہے۔

عیسائیت کا یورپ میں غلغلہ ہونا چنانچہ دین مسیحؑ سے اتنا تعلق نہیں رکھتا جتنا کہ سینٹ پال کے دین سے جو کہ یہودی پس منظر اور رومی اثر ورسوخ رکھنے والی ایک پراسرار تاریخی شخصیت ہے۔ رہا سہا کام پھر رومی شہنشاہ قسطنطین کے قبولِ عیسائیت نے کیا جس نے عیسائی

عقائد کے اندر "بحق سرکار" مداخلت کی نئی نئی مثالیں قائم کیں۔ یہاں تک کہ عیسائیت کا عقیدہ تو کیا زبان تک اپنی نہ رہی۔ سب کچھ 'رومیا' لیا گیا۔ آج جب آپ دیکھتے ہیں تو گویا یہ دین نازل ہی کہیں یورپ میں ہوا تھا۔ بت پرست رومی تہواروں کو ہی بڑے آرام کے ساتھ عیسائی تقدس دے دیا گیا!

عیسائیت کی یورپی پہچان اور یورپ کی عیسائی پہچان چنانچہ آج سیکولرزم کے دور میں بھی قریب قریب ایک مسلمہ جانی جاتی ہے۔ نومنتخب پاپائے روم جوزف ریٹزنگر بینی ڈکٹ آج اسی وجہ سے یورپی یونین کے آئین پر معترض ہیں کہ یونین کا باقاعدہ مذہب اس میں عیسائیت کیوں درج نہیں کر دیا گیا۔ ترکی کے یورپی یونین کی رکنیت پانے کے بھی وہ اسی وجہ سے خلاف رہے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ 'یورپ' اور 'نصرانیت' آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ یعنی اس میں کسی اور کیلئے کوئی گنجائش نہ ہونی چاہیے۔

بوسنیا اور کوسووا میں مسلمانوں کا قتل عام کرنے والے بھی شاید یہی سمجھتے ہیں کہ براعظم یورپ میں عیسائیت کے سوا کسی مذہب کی کوئی گنجائش نہیں!

بہر حال عیسوی شریعت کا رومیا لیا جانا تاریخ کا ایک معروف واقعہ ہے۔ یہاں تک کہ بعض مورخین کو یہ کہے بغیر چارہ نہ رہا: "رومن دراصل عیسائی نہیں ہوئے بلکہ عیسائیت کو رومن کیا گیا"۔ پاپائے روم کا ادارہ اسی تسلسل کی ہی ایک تاریخی کڑی ہے۔

رومنز کا سرخ رنگ آپ پوپ کے چغے اور کلاہ میں دیکھ سکتے ہیں اور یہی سرخ رنگ کسی نہ کسی ڈیزائن کے ساتھ ہر مغربی ملک کے پرچم میں!

☆☆☆☆☆

طبعی بات تھی کہ آخری آسمانی شریعت کے ساتھ جس کو کہ قیامت تک باقی رہنا ہے اور اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ رہنا ہے...... اس آخری آسمانی رسالت کے ساتھ سب سے

گھمبیر اور کانٹے دار مقابلے کیلئے وہی قوم اور وہی تہذیب پیش پیش ہوتی جو اس سے پہلے دینِ مسیحؑ کی صورت مسخ کر چکی تھی اور قریب قریب ایک پوری آسمانی اُمت کا گھونٹ بھر چکی تھی...... اور جس کے ہاتھوں مسیحؑ کا نام، جو کہ خدا کا بندہ خدا کا رسول اور خدا کا کلمہ تھا، شرک کا عنوان بنا دیا گیا اور رومی دیوتاؤں کا 'شرعی' متبادل۔

رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے وقت جس جہادی مہم کی تیاری کروا رہے تھے اور جس کی تاخیر پر آپؐ بیماریِ مرگ میں بھی برہم ہوئے تھے اور جس کو روانہ کرنے میں خلیفۂ اول ابوبکرؓ نے بھی بے حد مستعدی سے کام لیا، یوں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ نبوت کی جانب سے بھیجی جانے والی آخری فوجی مہم تھی تو خلافت کی جانب سے روانہ کی جانے والی پہلی فوجی مہم، یعنی جیشِ اسامہؓ...... یہ 'ملتِ روم' کی جانب سے اٹھنے والے خطرات کے سد باب کیلئے ہی بھیجی جانے والی درحقیقت ایک مہم تھی۔

علاوہ ازیں، نبی آخر الزمانؐ کی زندگی کی سب سے بڑی اور بلحاظِ مسافت سب سے طویل و پر مشقت فوجی مہم جو کہ آپؐ نے وفات سے تھوڑی دیر پہلے ایک عظیم الشان اور عدیم المثال تیاری کے ساتھ برپا کی تھی اور بنفسِ نفیس اس کی قیادت فرمائی تھی، اور جس میں امکان تھا کہ قیصرِ روم خود آپؐ کے مقابلہ میں آئے گا یوں دنیا شاید یہ موقعہ پاتی کہ ایک نبیؑ اور ایک قیصر کو اس رزمِ جہاد کے اندر آمنے سامنے دیکھے، لیکن آسمانی صحیفوں کا علم رکھنے والا یہ رومن ایمپرر جو کہ فارس پر فتح پانے کی عظیم شہرت رکھتا تھا مگر جانتا تھا کہ نبی سے مقابلہ کی صورت میں اس کا ابرہہ سے بھی برا حشر ہوسکتا تھا، لاکھوں کی فوج رکھنے کے باوجود اپنے بالکل قریب آئے ہوئے اس تیس ہزار کے لشکر کو بڑی بزدلی کے ساتھ طرح دے گیا...... رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا یہ سب سے بھاری بھرکم غزوہ، جو تبوک کے نام سے جانا جاتا ہے اور جو کہ آپؐ کی زندگی کے بالکل آخر میں جا کر لڑا گیا، 'ملتِ روم' ہی کے خلاف تھا۔

اس لحاظ سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کے کسی بھی نبی کا سب سے آخری معرکہ اسی

شرک کے خلاف لڑا گیا جسے ہم 'ملتِ روم' کہتے ہیں اور یہ کہ نبوت کی تلوار کا رخ عین آخری دم اسی 'مغربی' سمت سے اٹھنے والے خطرے کی سمت تھا۔ اس امر نے پیروانِ رُسل اور اور مخالفینِ رُسل کی اس لامتناہی کشمکش کو قیامت تک کیلئے شاید اب یہی جہت دے دی ہے کہ حق اور باطل کا معرکہ اب زمانۂ آخر تک انہی دو کیمپوں کے مابین لڑا جاتا رہے۔ پچھلی چودہ صدیوں کا واقعہ بہر حال اسی بات کی توثیق کر رہا ہے۔

چنانچہ جتنی طویل جنگ ہمارے خلاف ''ملتِ روم'' نے کھڑی کی ہے بلکہ آج تک یہ ہمارے خلاف برسر جنگ ہے ویسی جنگ ہمارے خلاف دنیا کی کسی قوم نے کھڑی نہیں کی اور نہ ہی اس کا کہیں امکان نظر آتا ہے۔ ''اقوامِ روم'' جنہیں اب ہم ''مغرب'' بھی کہنے لگے ہیں اور جو کہ کئی براعظموں کے اندر اب بیک وقت پائی جاتی ہیں.. پچھلے چودہ سو سال سے ہمیں ہی اپنی جنگ کا سب سے بڑا محاذ جانے ہوئے ہیں۔

کمیونزم وغیرہ کے خلاف برسرِ عمل رہنے کے دوران بے شک اس جنگ کی شدت میں قابلِ لحاظ حد تک کمی آئی رہی مگر یہ جنگ اس سے کہیں بڑی ہے کہ یہ کسی چھوٹے موٹے عمل کے نتیجے میں ماضی کا ایک واقعہ بن رہے اور حال سے روپوش ہو جائے۔ پس آج جو ہم دیکھ رہے ہیں ہرگز کوئی حیران کن واقعہ نہ ہونا چاہیے!

☆☆☆☆☆

عنصرِ چہارم:

الحاد.. اور قدروں کی پائمالی

مغرب کے فکری وجود کا چوتھا عنصر جدید الحاد ہے......

یقیناً دنیا کے اندر ایسی ملتیں موجود ہیں جن کو نبوتوں کی ہوا تک نہ لگی ہو اور نہ ہی وہ آسمانی ہدایت سے آشنا ہوں۔ یہاں چین، جاپان اور ہندو ایسی کئی ایک امتیں ہیں جو اصولاً مغرب کی نسبت ہم سے فکری و نظریاتی طور پر کہیں زیادہ دور ہیں، کیونکہ اپنے عیسائی ہونے اور بائبل پر ایمان رکھنے کی بدولت کئی ایک حوالے یہ فرزندانِ مغرب ایسے رکھتے ہیں جنہیں کچھ آسمانی عقائد اور انبیا کے حوالے سے یہ ہمارے اور اپنے مابین قدرِ مشترک پاتے ہیں، جبکہ دوسری اقوام کے ساتھ ہمیں ایسی کوئی مشترک زمین سرے سے دستیاب نہیں۔

اس کے باوجود پچھلی کئی صدیوں سے دنیا کے اندر الحاد پھیلانے کا مصدر نہ تو چین رہا ہے اور نہ جاپان، نہ کوریا اور نہ ہندوستان۔ بدبختی کی انتہا دیکھئے یہ رسوائی یہاں کی دو اہل کتاب ملتوں کے نصیب میں آئی: ایک یہود اور دوسرے نصرانی معاشرے! غیبیات کے ساتھ جنگ کا علم انہوں نے ہی اٹھا رکھا ہے۔

وہ سب کی سب قدریں جو دنیا کی مختلف ملتوں کے مابین ہزاروں سال متفق علیہ چلی آئی

ہیں اور انسانیت کی بقا کی ضمانت رہی ہیں جبکہ شرم وحیا پر مبنی یہ وہ قدریں ہیں جو دنیا کے اندر انبیا کی باقیاتِ صالحات رہی ہیں، پوری ڈھٹائی اور بے دردی کے ساتھ ان اقدار کے بخیے ادھیڑنے کا عمل یہاں کی اہل کتاب قوموں کے ہاں ہی پروان چڑھا ہے۔ لادینیت کی پوری دنیا کو برآمدان کے ہاں سے ہی ہوتی رہی اور آج تک برابر ہو رہی ہے۔ ''ایمان'' کے خلاف 'دلائل' لے کر آنے کا اس سے بڑھ کر زعم اور اس سے بڑا مظاہرہ تاریخ میں شاید ہی کبھی کہیں ہوا ہو۔ تاریخ کے بدترین ملحد آج کے مغرب نے ہی پیدا کیے ہیں۔ ڈارونزم، مارکسزم، کمیونزم، کیپیٹل زم، ریلیٹیوزم، لبرلزم، سلطانیِ جمہور اور نجانے کیا کیا کفرانہی کی سوغات ہیں، جو کہ ایسے بڑے بڑے کفر تھے کہ کرۂ ارض کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچے اور یہاں بسنے والے ہر انسان کو متاثر کرنے کی برابر کوشش میں رہے۔

چنانچہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ صرف ایک محمد ﷺ نہیں بلکہ سب کے سب انبیاء کے دین کے خلاف جنگ کا علم آج اگر کسی نے اٹھا رکھا ہے تو وہ یہی 'وارثانِ روم' ہیں۔ باقی سب دنیا اگر ان کفریات کی متبع ہے تو وہ ایک حاشیائی حیثیت اور پیروکارانہ انداز میں۔ رسولوں کے دین کے خلاف جنگ کے باقاعدہ علم بردار البتہ یہی ہیں۔ خدائی شریعتوں کے خلاف تاریخ کی سب سے بڑی مہم انہی کی برپا کردہ ہے۔ رسولوں کے ساتھ ٹھٹھہ اور مذاق انہی کا دیا ہوا فیشن ہے۔ ''دین'' پر لطیفے گھڑنے، ''ایمانیات'' پر فقرے چست کرنے اور ''دینی مظاہر'' پر قہقہے لگانے کے رجحانات دنیا میں اگر اور کہیں ہیں بھی تو وہ انہی کے ہاں سے درآمد ہوئے ہیں۔

اس لحاظ سے یہ کہنا ہرگز خلافِ واقعہ نہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ جنگ کرنے والے، خصوصاً اس جنگ میں آگے لگنے والے، آج یہی لوگ ہیں۔

دوسری جانب یہ بھی اتنا ہی واضح ہے کہ انبیا کی وارث، اور سب کی سب آسمانی شریعتوں اور رسالتوں کی امین، قیامت تک کیلئے اب ہماری ہی یہ امتِ بیضا ہے جو پانچ بار دنیا میں بآوازِ بلند وحدانیتِ خداوندی کی شہادت دیتی ہے۔ خدا کے مرتبہ ومقام کیلئے یہی امت ہمیشہ غیرت میں آتی دیکھی گئی ہے اور ایک نہیں سب کے سب انبیا کی ناموس کیلئے بے چینی بھی ہمیشہ اسی کے ہاں پائی گئی ہے۔

پس لازمی تھا کہ باقی سب اقوام یہاں حاشیائی ہو کر رہیں اور 'میدان' کے اندر یہی دو ملتیں باقی رہ جائیں۔ ایک ہم اور ایک وہ۔ داعیانِ ایمان اور داعیانِ الحاد۔ اندازہ کر لیجئے کتنی ہی قومیں ترقی، ٹیکنالوجی اور معیشت وغیرہ میں ہم سے آگے ہیں۔ چین، جاپان اور بھارت وغیرہ سے ہمارا کوئی موازنہ ہی نہیں۔ پسماندگی میں آج ہمارا کوئی ثانی نہیں۔ تیل اور ایندھن حاصل کرنے کی دوڑ ضرور ایک سچ ہوگا مگر یہ دوڑ ان اقوام کے مابین زیادہ ہونی چاہیے جو اپنے پہیے کو حرکت دینے کیلئے زیادہ ایندھن کی ضرورتمند ہیں۔ اس کے باوجود مغرب اپنی ٹکر کیلئے ہمارا ہی انتخاب کرتا ہے اور سچ یہ ہے کہ ایسا کرنے میں ہرگز کوئی غلطی نہیں کر رہا۔ خود ان کے دانشوروں کی زبان سے یہ بات سنی جا رہی ہے کہ یہ تہذیبوں کا تصادم ہے۔

سوال جب 'تہذیبوں کی کشمکش' کا ہو جائے تو اتفاق پر پھر ''اسلام'' کے سوا کیا کہیں کوئی خطرہ دکھائی دے سکتا ہے؟!! چین اور جاپان کی تب بھلا یہاں کیا حیثیت رہ جاتی ہے، 'موت' صرف ایک جگہ سے آتی نظر آ رہی ہے اور وہ ہے 'عالمِ اسلام'!!! اِس 'دشمن' کے پاس ہتھیار ہیں یا نہیں، اِس میں جان ہے یا نہیں، اِس کو اٹھنے سے پہلے مار دیا جائے اور جاگنے سے پہلے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے موت کی نیند سلا دیا جائے!!! تصور کیجئے قرآن پڑھنے والی امت صحیح معنیٰ میں اگر کسی وقت جاگ اٹھے، کیا الحاد کے رونگٹے کھڑے کر دینے کیلئے یہ اتنی سی بات کافی نہیں؟!!

یہ دراصل ایک خدائی انتظام ہے کہ وہ انسانی دنیا کے اندر تصادم اور کشمکش کا عنوان مسئلۂ حق و باطل کو بہر حال رہنے دے اور 'مسئلۂ ایمان و کفر' کو دنیا کے ایجنڈے سے غائب نہ ہونے دے۔ ورنہ 'شہباز اور ممولے' کا بھلا کیا مقابلہ؟؟! واللہ غالب علیٰ أمرہٖ ولکن أکثر الناس لا یعلمون!!!(۷)

چنانچہ یہ جنگ اگر ہماری چھیڑی ہوئی ہے اور نہ اُن کی ___ بلکہ یہ جس چیز کی چھیڑی ہوئی ہے وہ ہے حق کی اپنی ہی اصیل خاصیت جس کا کہ ہمیں امین بنا دیا گیا ہے، اور باطل کی اپنی

---

(۷) یوسف: ۲۱ ''اور اللہ غالب ہے اوپر کام اپنے کے و لیکن بہت لوگ نہیں جانتے'' (ترجمہ شاہ رفیع الدین)

ہی ازلی سرشت جس کے کہ وہ اس وقت دنیا میں سب سے بڑے علمبردار بنے ہوئے ہیں__ پس یہ جنگ اگر ہمارا اپنا فیصلہ نہیں بلکہ اُس ذات کا اپنا ہی کوئی منصوبہ ہے جسے اپنی مخلوق کو مؤمن اور کافر میں تقسیم کر کے دیکھنا بے حد پسند ہے اور اسی مقصد کیلئے وہ دنیا کے اندر کتابیں اور رسول بھیجتی ہے اور جسے کہ یہ پسند نہیں کہ انسانوں کے مابین امتیاز کا یہ عنوان، یعنی ''کفر و اسلام''، ناپید یا حتیٰ کہ حاشیائی ہو جائے، جبکہ نظر یہی آتا ہے کہ یہ جنگ ''ایمان و کفر'' کی اپنی ہی ازلی مخاصمت کی انگیخت کردہ ہے نہ کہ ہمارے اپنے کسی منصوبے کا نتیجہ...... تو پھر اس سے بڑھ کر خوشی کی کوئی بھی بات نہ ہونی چاہیے کہ دنیا میں جس وقت ایک ایسی زبردست جنگ کا غبار اٹھا، جو کہ اپنی فطرت اور حقیقت میں عین وہی جنگ ہے جو پیروانِ رُسل اور معاندینِ رُسل کے مابین ہوا کرتی ہے، تو اس وقت ہم نبی آخر الزمان ﷺ کے کیمپ میں تھے اور ہمارے گھروں پر چڑھ آنے والے، شرک اور الحاد کے سب سے بڑے داعی اور دنیا کے اندر رسولوں کے خلاف جنگ روا رکھنے کے اپنے اس دور کے سب سے بڑے علمبردار!

ایسی جنگ کا تو 'نتیجہ' اس قدر دلچسپ نہ ہونا چاہیے جس قدر کہ خود اس جنگ کے 'دواعی اور محرکات'! پس اس 'جنگی سلسلہ' warfare کا نتیجہ دیکھنے کیلئے ہم زندہ رہیں یا نہیں، بلکہ تو یوں کہیے اس جنگ کا نتیجہ چاہے کچھ بھی رہے، اس کے تو 'غبار' سے کچھ حصہ پالینا ہی ہمارے لئے کسی سعادت سے کم نہیں! پس آج کا ہر موحد جو اس جنگ میں شعوری طور پر شریک ہے اس جنگ سے وہ بہترین حصہ پورے طور پر پا چکا ہے جس کا دینا کبھی کسی جنگ کے بس میں ہو۔ اس کے سوا یہ جنگ جو بھی دے کر جائے گی وہ ہمارے لئے اتنا اہم نہیں جتنا وہ جو یہ جنگ ہمیں درحقیقت دے چکی ہے!!!

آج اس وقت، اور تاریخ کے عین اس موڑ پر جب دنیا ایک ہونے جا رہی ہے اور نظریات کی حکمرانی دنیا کے اندر از سر نو بحال ہونے کو ہے، ''ایمان'' سے بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے اور __ بطورِ امت اور بطور کیمپ __ رسالتوں کا امین ہونے سے بڑھ کر فخر و اعزاز کی یہاں کیا بات ہو سکتی ہے؟!!

چنانچہ فکرِ مغرب کا یہ چوتھا عنصر، یعنی مغرب کا فکری وتہذیبی الحاد اور رسولوں کی تکذیب پر مبنی رجحانات صادر کرنے کے معاملہ میں مغرب کا پوری دنیا کے اندر ایک قوی ترین منبع اور ایک مقبول ترین حوالہ کی حیثیت میں جانا جانا ___ کم از کم اپنی اس شکل اور اپنے اس حجم میں ___ ملتِ روم میں در آنے والا ایک بالکل نیا عنصر ہے، جس کی تاریخ چند صدیاں پیچھے تک ہی جاتی ہے۔ گو اس کی بنیاد اپنے وجود کے پہلے عنصر میں یہ بڑی واضح پاتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ ایک اضافی سبب ہوگا کہ مغرب ہمارے ساتھ ایک ایسی مخاصمت محسوس کرے جو اس سے پہلے اس کے ہاں کبھی نہ پائی گئی ہو۔ باطل اپنے اندر بطلان کے جتنے پہلو جمع کرلے گا وہ حق کے ہاتھوں ختم ہونے کے اتنے ہی اسباب اپنے ہاتھوں فراہم کرے گا اور بے شک اہل حق کی جانب سے پہل نہ ہو وہ حق کے اندر اپنے لئے اتنے ہی خطرات بڑھتے ہوئے آپ سے آپ محسوس کرلے گا۔ چنانچہ 'جنگ' کا پیغام باطل کے اپنے ہی اندر سے اٹھتا ہے، اسلحہ اور ٹیکنالوجی پر گھمنڈ اس کا صرف ایک اضافی پہلو ہے!

البتہ 'بڑھاپا' انسانی دنیا کے اندر ایک خدائی سنت ہے، جس کی زد، بقول ابن خلدون، جماعتوں، معاشروں اور تہذیبوں پر بھی اسی طرح پڑتی ہے جس طرح کہ افراد پر۔ بڑھاپے کا، وقت سے ذرا پہلے آجانا یا عام معمول کی نسبت کچھ مؤخر ہوجانا، گو ایک انسانی واقعہ ہے مگر اس کے آنے سے بہر حال کوئی مفر نہیں۔ گو اس بات کی تفصیل کا یہ مقام نہیں مگر بوجوہ مغرب کے الحادی و مادی وجود پر بڑھاپے کے آثار نمایاں سے نمایاں تر ہوتے جارہے ہیں۔ چہرے پر جھریاں صاف محسوس کی جانے لگی ہیں اور 'آئینے' کا استعمال اس کے ہاں کچھ ایسا مفقود نہیں! أصابه الكبر وله ذرية ضعفاء فأصابها اعصار فيه نار فاحترقت!!! [۸]...... ایسے میں 'دشمن' کے نونہالوں کو گبھرو ہوتے دیکھنا بطور خاص اذیت ناک بلکہ ناقابل برداشت ہوجاتا ہے! جبکہ

---

(۸) اس کو بڑھاپے نے آلیا ہو، اولاد (چھوٹی چھوٹی) بے آسرا ہو، (اس کا یہ باغ) طوفانی آندھی کی نذر ہو جائے، جس میں آگ ہو، اور وہ جل کر راکھ ہوجائے''

عالم اسلام کے حالات سے باخبر ہر شخص آج یہ دیکھ رہا ہے کہ یہاں ''ایمان'' اور ''اللہ کی طرف لوٹنے'' کا عمل ایک زوردار کروٹ لے رہا ہے۔ جس کے پیچھے اُن تحریکوں کی دوسو سالہ محنت پڑی ہے جن کے کام کی بابت لوگوں کا تبصرہ ہوا کرتا تھا کہ 'اس سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا'!!! حالانکہ اللہ کے ہاں تو اس کے حق میں بولا گیا ایک کلمہ ضائع ہوتا ہے اور نہ اس کے راستے میں چلائی جانے والی کوئی ایک گولی، 'ولکنکم قوم تستعجلون'!!!(۹)

پس یہ ایک زبردست co-incidence ہے کہ ایک ملحد تہذیب بڑھاپے سے دوچار ہے تو عین دوسری طرف خدا آشنائی پر مبنی ایک جاندار اور نوخیز تہذیبی عمل آہستہ مگر تسلسل کے ساتھ رونما اور روز بروز نمایاں تر ہو رہا ہے، یہاں تک کہ خود ان کے اپنے گھروں میں مقبول ہو رہا ہے۔ ڈیموگرافی کے کئی سارے بم الگ پھٹنے والے ہیں اور آبادیوں کی کثرت آئندہ سالوں میں ایک بہت بڑا کردار ادا کرنے والی ہے!

یہ حقائق تو اس قدر عظیم الشان اور غیر معمولی ہیں کہ اسلام اور مغرب کی اس کشمکش میں اس سے زیادہ دلچسپ صورتحال اس سے پہلے شاید کبھی بھی پیدا نہیں ہوئی! مغرب زیادہ سے زیادہ اس وقت کچھ اپنے پاس رکھتا ہے تو وہ ہے موت کا سامان، خود اپنے لئے کسی انداز سے تو اوروں کیلئے کسی اور انداز سے۔ البتہ زندگی کا سامان آج صرف ہمارے پاس ہے خود ہمارے لئے اور دنیا بھر میں جو جو زندگی پانے کی خواہش رکھتا ہو اُس کے لئے! دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں روشنی مسلسل بڑھ رہی ہے اور سائے مسلسل سمٹ رہے ہیں۔ یہ نوشتۂ دیوار تو قریب قریب ہر شخص ہی آج پڑھ رہا ہے کہ موجودہ صدی صرف اور صرف اسلام کی صدی ہے، البتہ جو بات اس سے بھی بڑھ کر سوچنے کی ہے وہ یہ کہ اپنے مرنے کا انتظام جس وسیع انداز میں مغرب نے اس دور میں کیا ہے اور خدائی سنتوں کی رو سے اپنے

---

(۹) ''مگر تم لوگ بہت جلدی کرتے ہو'' --- اشارہ ہے رسول اللہ ﷺ کے اس جواب کی طرف جو آپؐ نے اپنے کچھ صحابہ کی ناگفتہ بہ حالت زار کہنے پر ارشاد فرمایا تھا۔

مٹ جانے کے اسباب جس کثرت اور شدت کے ساتھ اس نے اس بار مہیا کئے ہیں، دوسری جانب کئی سو سال بعد اسلام کی حقیقت ایک اجلے نکھرے انداز میں جس طرح اس بار سامنے آنے لگی ہے اور جس بڑے انداز کی کروٹ بیداری کے معاملے میں آج عالم اسلام لینے لگا ہے، تیسری جانب دنیا

---

(۱۰) اس موضوع پر دیکھئے مسند احمد کی دو حدیثیں، ایک مقداد بن الاسودؓ سے اور دوسری تمیم داری سے:

عن المقداد بن الأسود: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يبقىٰ علىٰ ظهر الأرض بيت مدر ولا وبر الا أدخله الله كلمة الاسلام بعز عزيز أو ذل ذليل، اما يعزهم الله عز وجل فيجعلهم من أهلها، أو يذلهم فيدينون لها (باقي مسند الأنصار، حديث المقداد)

مقداد بن الاسود سے، ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: روئے زمین پر کوئی گھر یا جھونپڑی ایسی نہ رہے گی جس میں اللہ اسلام کا بول (بالا کرا کے) داخل نہ کر دے گا، عزت والوں (کیلئے اس کو) عزت بنا کر اور ذلت والوں کیلئے ذلت۔ یا تو اللہ انہیں عزت دے گا یوں کہ وہ انہیں اہل اسلام میں سے کر دے، یا پھر ان کو ذلت دے گا یوں کہ وہ اسلام کے زیر نگین آ جائیں گے''

عن تميم الداري: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ليبلغن هذا الأمر ما بلغ الليل والنهار، ولا يترك الله بيت مدر ولا وبر الا أدخله الله هذا الدين بعز عزيز أو بذل ذليل، عزا يعز الله به الاسلام، وذلا يذل به الكفر (مسند الشاميين، حديث تميم الداري)

تمیم داری سے ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: یہ امر (اسلام کا غلبہ واقتدار) لازماً وہاں تک پہنچ کر رہے گا جہاں تک دن اور رات کی پہنچ ہے۔ اور اللہ کوئی گھر اور جھونپڑی ایسی نہ چھوڑے گا جہاں وہ اس دین کو داخل نہ کر دے، کوئی عزت کا حق رکھتا ہے تو اس کو عزت دے کر، اور کوئی ذلت کا حقدار ہے تو اس کو ذلت دے کر۔ عزت جو کہ اللہ اسلام کو دے گا اور ذلت جو کہ اللہ کفر کو دے گا''۔

اس حدیث کے حوالے سے دو باتیں قابل توجہ ہیں:

۱) حضرت مقدادؓ کی حدیث میں لفظ آتے ہیں: الا أدخله الله كلمة الاسلام. جس کا ترجمہ ہم نے کیا ہے ''جس میں اللہ اسلام کا بول (بالا کرا کے) داخل نہ کر دے گا'' البتہ ہمارے بعض شکست خوردہ طبقوں کے ہاں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ''دعوتِ اسلام''۔ یقیناً ''دعوتِ اسلام'' بھی کچھ ایسا غلط ترجمہ نہیں بشرطیکہ ''دعوت'' کا وہ قاصر مفہوم نہ لیا جائے جو ہمارے ان ہزیمت پسند طبقوں کے ہاں لیا جاتا ہے (اس کیلئے دیکھا جائے ہمارا ''عرضِ مترجم'' بہ سلسلہ کتاب: دعوت کا منہج کیا ہو؟، مؤلفہ محمد قطب، مطبوعات ایقاظ)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ):
'کلمہ' کے عربی کے اندر کئی سارے استعمالات ہیں جس سے مراد یہاں بہرحال اسلام کا غلبہ و اقتدار ہی ہے (لفظ 'کلمہ' کا استعمال قرآن میں بھی ہوا ہے: وجعل کلمة الذین کفروا السفلی، وکلمة الله هی العلیا - التوبہ: ۴۰، یعنی "اللہ نے کفار کا بول پست کر دیا اور اللہ کا بول بالا ہے") حدیث میں بھی اس لفظ سے عین یہی مراد ہونے کیلئے قرینہ اسی حدیث کے اندر موجود ہے، فرمایا: أو یذلهم فیدینون لها. یدینون کا مطلب ہے "ذلیل اور محکوم ہو جانا"، جبکہ لها میں ھا کی ضمیر کلمة الاسلام کی طرف جاتی ہے۔ جو کہ اپنے اس مفہوم میں واضح ہے کہ اس سے مراد کچھ لوگوں کا اسلام قبول کر کے ملت اسلام میں داخل ہو جانا ہے اور کچھ لوگوں کا دین کے معاملے میں اپنے کفر پر ہی رہنا مگر اسلامی اقتدار کے تابع و زیر نگین ہو جانا، جیسا کہ ابتدائے اسلام میں ہوا، نہ یہ کہ سب کے سب لوگوں کا 'اسلام کی دعوت قبول کر لینا'، جیسا کہ ہمارے یہ حضرات، جو کہتے ہیں کہ اب قیامت تک کیلئے صرف 'دعوت' ہی مشروع ہے نہ کہ 'قتال'، اس طرح کی احادیث کے ضمن میں فرمانے لگتے کہ 'ایک وقت آئے گا جب 'دعوت' ہی اتنی پھیل جائے گی کہ سب کے سب لوگ اسلام کی دعوت قبول کر لیں گے'!

۲) مقدادؓ کی اس حدیث میں أو یذلهم فیدینون لها کے الفاظ سے واضح ہے کہ ابھی یہ وہ زمانہ ہوگا جب لوگ کفر پر برقرار رہنے کی آزادی، جو کہ ان کو اسلام نے دے رکھی ہے، بدستور استعمال کر رہے ہوں گے البتہ اسلام کے اقتدار کے محکوم ہوں گے۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اسلام کا یہ وہ غلبہ نہیں جو نزولِ عیسیٰؑ کے بعد ہوگا اور جب سب اہلِ کتاب، جو بچ جائیں گے، حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں گے، یعنی یہود اور نصاریٰ بطور دین ختم ہو جائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام پر اکٹھے ہو کر شریعتِ محمدی کے تابع ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے واضح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جزیہ موقوف کر دیں گے، مراد ہے 'غیر مسلم' رہنے کی آزادی جاتی رہے گی۔ چنانچہ مقداد بن الاسودؓ اور تمیم داریؓ وغیرہ کی ان احادیث سے اس غلبۂ اسلام کا پتہ ملتا ہے جو نزول عیسیٰؑ کے بعد ہونے والے غلبۂ اسلام کے علاوہ ایک واقعہ ہے، اور جس کا ہونا ظاہر ہے کہ ابھی باقی ہے، کیونکہ 'روئے زمین کے ہر گھر کے اندر شوکتِ اسلام کا داخل ہو جانا ابھی رونما نہیں ہوا۔ جب ایسا ہے تو اسلام کا یہ غلبہ کہ جہاں تک دن رات کی پہنچ ہے وہاں تک اسلام کا اقتدار پہنچے گا، ایسا دور ہوگا جو خروجِ دجال اور نزولِ عیسیٰؑ سے پیشتر ہوگا، اور اللہ اسی امت کے اندر اتنا دم خم از سر نو پیدا کرے گا کہ یہ پورے عالم میں اسلام کا پرچم بلند کر لے گی۔ لہٰذا اس امت کے دن پھر جانے کے معاملے میں 'نزولِ عیسیٰؑ' کے ساتھ ہی سب کی سب امیدیں وابستہ کرانا درست نہیں، ابھی ایک غلبۂ اسلام، اس حدیث کی رو سے، بجا طور پر باقی ہے، جو کہ خروجِ دجال اور نزولِ عیسیٰؑ سے پہلے ہے!

کا ایک بستی ہو جانے کا وقوعہ جس بے مثال unprecidented انداز میں اب آج رونما ہونے کو ہے... کیا ایسا تو نہیں اس ساری کشمکش کا فیصلہ ہی ہو جانے کو ہو جب ''اللہ روئے زمین پر کوئی گھر اور کوئی جھونپڑی ایسی نہ رہنے دے گا جہاں اسلام کا بول بالا ہو کر داخل نہ ہو، عزت والے کو عزت دے کر اور ذلت والے کو ذلت دے کر، عزت جو کہ اللہ اسلام کو دے گا اور ذلت جو کہ اللہ کفر کو دے گا'' !!!(١٠)

سب کچھ اللہ کے علم میں ہے، البتہ امکانی اشارات اس حد تک یقیناً ہو رہے ہیں!

چنانچہ آج ہم تاریخ کے ایک ایسے منفرد موڑ پر کھڑے ہیں جہاں زمانے کی گردش دیکھنے سے تعلق رکھنے لگی ہے۔ ملت کا ہر فرد آج جس قدر اہم ہو گیا ہے شاید وہ ہمارے اندازے سے باہر ہو۔ سب سے بڑھ کر گلہ ہمیں اپنے اس فرد سے ہو گا جو 'فیصلے کی اس گھڑی' کو قریب لانے میں کوئی بھی کردار ادا نہ کر رہا ہو، جبکہ یہ کردار ادا کرنے کی اس وقت ایک نہیں ہزاروں صورتیں ممکن العمل ہیں۔

عالم اسلام کی ساری ہی مٹی اس وقت بے حد زرخیز ہو چکی ہے، اور 'نم' کی بھی اس وقت، خدا کا فضل ہے، کوئی ایسی کمی نہیں!!!

☆☆☆☆☆

ولا یزالون یقاتلونکم..

ایک جنگ جو کبھی نہیں تھمی!

ایک محاذ جو ہمیشہ گرم رہا!

بلاشبہ ملتِ روم کا پرچم پچھلے چودہ سو سال سے اُن کی ایک قوم سے دوسری اور ایک ملک سے دوسرے کو منتقل ہوتا آیا ہے۔ ان کے کتنے ہی 'سینگ' ٹوٹے اور کتنے ہی نئے آئے۔ کچھ نظر ہم اس حوالے سے بھی یہاں اپنی اور انکی تاریخ پر ڈالتے چلیں گے..

رسول اللہ ﷺ کے دور میں بائزنٹینی ریاست Byzentine اسلام کے مدمقابل آئی تھی، جس کو خلافتِ عمرؓ میں شام، مصر اور افریقہ کے سب خطوں سے بے دخل کر کے یورپ اور ایشیائے کوچک کی جانب دھکیل دیا گیا تھا۔ مگر یہ اسلام سے برابر برسرِ پیکار رہی۔

چند صدیوں بعد یہ (بائزنٹینی ریاست) کسی حد تک پس منظر میں چلی گئی تو 'صلیبیوں' کے روپ میں 'فرنگی' نمودار ہوئے، جو کہ وسطِ یورپ سے سمندری جہاز بھر بھر کر بحرابیض کی راہ سے آتے، اور بائزنٹینی خطوں کے بری راستے بھی استعمال کرتے۔ ان کی مہمات زیادہ تر فرانس

سے تیار ہو کر آتیں۔ بیت المقدس پر ان کا قبضہ ہو جانے کے بعد اس صلیبی تسلط کو جب بھی کوئی خطرہ پڑا دیگر یورپی اقوام اپنی باہمی دشمنی بھلا کر ان کی مدد کو پہنچتی رہیں، گو نورالدین زنگی بازنطین کے ساتھ ان کے اختلافات کا کسی حد تک فائدہ بھی اٹھاتا رہا۔ کئی بار جرمن ان صلیبی حملہ آوروں کی نصرت کو آئے۔ بالآخر صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں جب بیت المقدس اسلام کو واپس ملا تو پورا یورپ بلادِ اسلام پر حملے کیلئے امڈ آیا۔ صلاح الدین ایوبی کا اصل کردار اتنا شاید بیت المقدس لینا نہیں جتنا فتحِ بیت المقدس کے بعد اس کا پورے یورپ کے مدمقابل تنِ تنہا عالم اسلام کا پوری کامیابی کے ساتھ دفاع کر لینا اور اپنی مٹھی بھر افواج سے کام لیتے ہوئے یورپ سے آنے والی ان سب افواج کو، جو کہ لاکھوں کی تعداد میں تھیں، ایک طویل جنگ کے بعد واپسی پر مجبور کر دینا۔ اب اس موقعہ پر، یعنی بیت المقدس صلاح الدین کے ہاتھوں 'کھو دینے کے بعد، ان کی قیادت کا علم انگلستان کے رچرڈ شیر دل نے اٹھا رکھا تھا۔

بعد کے ایوبی سلاطین نے کئی بار حملہ آور صلیب بردار یورپیوں کو تتر بتر کیا بلکہ فرانس کا بادشاہ زندہ گرفتار کیا اور بھاری زرِ رہائی لے کر چھوڑا۔ ممالیک کے ساتھ بھی صلیبیوں کی یہی پلٹ جھپٹ رہی، مگر ممالیک بھی ان کے ساتھ خوب پورا اترتے رہے اور صلیبیوں کے ساتھ اپنے اس طویل جنگی سلسلہ میں اسلامی تاریخ کی کچھ عظیم الشان یادگاریں رقم کیں، بلکہ یہ ایک واقعہ ہے کہ ممالیکِ مصر کے بحری بیڑے یورپیوں کے ساتھ بحر ہند تک آ کر جھپٹتے رہے، کہ یہ یورپی کہیں یہاں اپنا اثر ورسوخ نہ بڑھا لیں اور پیچھے سے دولت اسلام کیلئے خطرہ نہ بن جائیں، مگر مصر پر ممالیک کا اقتدار ختم اور عثمانیوں کا اقتدار قائم ہونے کے بعد، اسلامی دولت کی توجہ بحر ہند کی جانب زیادہ نہ رہ سکی، جو کہ بعد ازاں عالم اسلام کیلئے ایک بڑا رخنہ ثابت ہوا۔

'مغرب'، جیسا کہ ہم نے کہا، ابھی 'یورپ' میں محصور تھا اور تب تک اپنا سارا آمنا سامنا 'یورپ' سے تھا، بلکہ پچھلی صدی تک ایسا ہی رہا۔ مغرب کی سیادت کا 'یورپ' سے نکل کر

امریکہ پہنچنے کا واقعہ صرف بیسویں صدی میں ہوا۔ لہذا یہ کہانی زیادہ تر 'یورپ' ہی کے حوالے سے بیان ہوگی۔

'یورپ' پر مسلمانوں کی پہلی چڑھائی امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ہوئی، جس کا ذکر ابتدا میں ام حرامؓ والی حدیث اور ابوایوب انصاریؓ کے واقعہ کے ضمن میں گزر چکا۔ یہ صحابہ وتابعین کی سپاہ تھی جو قیصر کے پایہ تخت قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئی اور کچھ دیر محاصرہ رکھنے اور اپنے وجود کا پتہ دے لینے کے بعد واپس ہوئی۔ جزیرہ قبرص اسلام کا باج گزار، اور سسلی مفتوح تو امیر معاویہ ہی کے دور میں ہو چکے تھے، کیونکہ مسلمان تب تک ایک عظیم الشان بحری قوت فراہم کر چکے تھے۔ یوں بحر ابیض، جسے 'بحرِ روم' بھی کہا جاتا رہا ہے، صحابہ کے دور میں ہی پوری طرح دولتِ اسلام کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔

یورپ کے اندر مسلمانوں کی باقاعدہ ''فتوحات'' کا سلسلہ البتہ اس سے کچھ دیر بعد، یعنی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں شروع ہوا، جب شمالی افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر کے ایک 'غیر عرب' کمانڈر طارق بن زیاد کے زیر قیادت، لشکر اسلام نے 'سپین' فتح کر لیا۔ یہ ابھی تابعین کا زمانہ تھا اور کچھ صحابہ بھی ابھی موجود تھے۔ یوں 'مغرب کی وادیوں میں' پہلی صدی ہجری کے اندر ہی ''اذان'' کی صدا گونجنے لگی۔ 'مسلم سپین' جسے ہم ''اندلس'' کے نام سے جانتے ہیں اور جو کہ آج تک پورے یورپ کیلئے تعلیم، تہذیب اور ترقی کے ایک عظیم الشان حوالہ کی حیثیت رکھتا ہے اور جہاں کی جامعات میں پڑھنے کیلئے یورپی وڈیروں کے بچے اسی احساسِ کمتری ومحرومی کے ساتھ آیا کرتے تھے جس طرح ہمارے یہاں سے اب اکسفورڈ اور ہارورڈ جایا کرتے ہیں... یہ ''اندلس'' ہماری تاریخ کا ایک درخشاں باب رہا ہے جو اب ہمارے ہر تاریخ پڑھنے والے کو رُلا کر جاتا ہے۔

ایک وقت تھا جب اندلس کی جانب سے مسلمان افواج پیش قدمی کرتے ہوئے فرانس پر حملہ آور ہو رہی تھیں اور فرانس کا اسلام کے زیر نگیں آنا کچھ دیر کی بات رہ گیا نظر آتا تھا۔ پھر وہ وقت تھا کہ اندلس میں اپنے وجود کے آٹھ سو سال پورے کر کے مسلمان، فرڈیننڈ اور ازابیلا کی

صلیبی افواج کے ہاتھوں وہاں سے بے دخل ہو رہے تھے اور کلیسا کی 'تفتیشی عدالتوں' Acquisition Courts سے 'جرمِ ایماں' پر بدترین سزائیں پا رہے تھے۔ تب سب سے خوش قسمت مسلمان وہ سمجھا گیا جس کو اسلامی تہذیب کے اس گہوارے ''اندلس'' سے جان بچا کر کسی جانب بھاگ جانا نصیب ہو گیا!

گو اندلس، جو کہ یورپ کا مغرب بنتا ہے، میں شوکتِ اسلام کا سورج جس وقت غروب ہو رہا تھا عین اس وقت وہ پوری آب وتاب کے ساتھ یورپ کے مشرق میں طلوع بھی ہو رہا تھا۔ یہ عثمانیوں کی پیش قدمی تھی جو تھوڑی ہی دیر میں یورپ کے قلب ___ آسٹریا کے پایہ تخت 'ویانا' ___ تک جا پہنچی۔

یوں ملتِ روم کے ساتھ ہماری اس جنگ کا ایک خوبصورت باب ''سلطنتِ عثمانیہ'' سے شروع ہوتا ہے۔ جس کی زیادہ تر فتوحات یورپ ہی کی جانب رہیں۔ دولتِ عثمانیہ نے چھوٹتے ہی ایشیائے کوچک سے پسماندگانِ روم کو یورپ کی طرف مار بھگایا، اور ایشیا کے اس خطہ کو جو کہ اتنی صدیاں اسلام کی قلمرو میں نہ آیا تھا، گو ان سے پہلے سلجوقی یہاں خاصی پیش قدمی کر چکے تھے ہمیشہ کیلئے سرزمین اسلام میں بدل ڈالا، جس سے بحر خزر سے لے کر آذربیجان و آرمینیا اور جارجیا سے چلتے ہوئے بحر اسود تک شوکت اسلام کو زبردست عروج ملا اور آگے چلتے ہوئے یہ اسلامی بیلٹ بحر ابیض سے آملی۔ پھر رفتہ رفتہ قسطنطنیہ پر اپنا دباؤ بڑھایا اور بالآخر سلطان محمد کے دور اقتدار (۱۴۵۳ء، ۸۵۷ھ) میں یہ شہرِ قیصر، جس پر ایشیا اور یورپ ملتے ہیں، اہل اسلام کو ملا اور 'یورپ' کا یہ سب سے اسٹریٹجک خطہ ''اسلام بول'' کے نام سے خلافت کے زیر نگیں آیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک طرف بحر اسود کے پار، یورپی سائڈ پر، اسلامی قوت بڑھنے لگی اور ہنگری، بلغاریا اور روس تک پہنچی، دوسری جانب خطۂ بلقان کی کئی ایک 'یورپی' اقوام حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ البانیا، بوسنیا اور کوسووا وغیرہ ہمارے اسی دورِ خلافت کی 'یورپی' یادگاریں ہیں، جو کہ آج تک 'ملتِ روم' کے دل میں کانٹے کی طرح چبھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلقان کے یہ خطے آج خلافت کی غیر موجودگی کی سب سے بڑھ کر قیمت ادا کر رہے ہیں۔

تیسری جانب عثمانی بحری بیڑوں نے بحر ابیض پر اپنا کنٹرول قائم کیا، جس سے صلیبی

حملوں کا وہ دور صدیوں کیلئے ختم ہو گیا جو سلاجقہ اور زنگیوں سے لے کر ایوبیوں اور مما لیک تک کا تمام دور، بلادِ شام و مصر کیلئے ایک مسلسل دردِ سر بنے رہے تھے۔

یوں عثمانی خلافت کی بدولت، مسلمانوں کے مغربی اور شمالی ساحل کئی صدیاں صلیبیوں کی لوٹ مار سے محفوظ رہے۔ صرف یہی نہیں، عثمانیوں کی یورش کے آگے شاید پہلی بار یورپ کو خطرہ لاحق ہوا کہ ان کا یہ پورا براعظم مسلم افواج کے سامنے اب بہت دیر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ خلافت کی افواج یورپ کے مرکز تک پہنچیں یہاں تک کہ ایک وقت ایسا تھا کہ یہ ویانا (آسٹریا کا دار الحکومت) کا محاصرہ کئے کھڑی تھیں اور اس وقت اگر پیچھے رافضی خطرہ نہ ہوتا تو اسلام کا یہ بے قابو سیلاب ویانا سے گزر کر پورے یورپ کو تہِ آب لے آ چکا ہوتا۔

تاریخ کے 'اگر کہیں ایسا نہ ہوتا' 'IF's of the History' میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس وقت عثمانیوں کی شہ زور افواج یورپ پہ یورش کر رہی تھیں اور یورپ ان کے سامنے پوری طرح بے بس تھا عین اس وقت اگر صفویوں کی رافضی دولت اس قدر مضبوط نہ ہوتی جو ہمیشہ خلافت کو پیٹھ میں چھرا گھونپتی رہی اور جب بھی خلافت کی افواج مغرب کی جانب دور دراز کی پیش قدمی کی پوزیشن میں آتیں ایران کی صفوی افواج مشرقی جانب سے خلافت کے لئے خطرہ بن کر کھڑی ہو جاتیں اور خلافت کی افواج کو اس خطرے کے پیش نظر مغرب میں اپنی پیش قدمی مختصر کر دینا پڑتی.. یوں خلافت کی ''یورپی فتوحات'' کے دوران اگر ایران میں صفوی دولت پشت سے اس کیلئے خطرہ بن کر کھڑی نہ ہوتی، تو بعض مغربی تاریخ دانوں کا خیال ہے، آج وہ اٹلی اور فرانس میں اسی طرح ''قرآن'' کی تلاوت کر رہے ہوتے جس طرح تیونس اور مراکش کی مسلم اقوام!

اس کے بعد ایک طرف خلافت پر زوال آیا تو دوسری طرف مغرب نے اپنی ایک تنظیم نو کی اور مشینوں اور ہتھیاروں کی ایک نئی دنیا پیدا کی۔ یہ البتہ عین وہ وقت تھا جب ہم پوری طرح

ور ہے تھے۔ پھر بھی عالم اسلام کی جانب رخ کرنے کیلئے فرزندانِ یورپ نے وہ تاریخی روٹ
ستعمال نہیں کیا جو اس سے پہلے کرتے آئے تھے، یعنی بلاد عرب کے مغربی وشمالی ساحل۔ کیونکہ
نام ومصر کے ان ساحلوں کی راکھی کیلئے عثمانیوں کے طاقتور بیڑے بدستور بحر ابیض میں پہرے
ے رہے تھے۔

البتہ اب وہ بحری قوت فراہم کر چکے تھے اور اس بار وہ تاجروں کا بھیس بھرے گویا
یونٹی کی رفتار سے چلتے اور بحر ہند میں اپنے راستے بناتے ہوئے بڑی خاموشی کے ساتھ ''مسلم
نڈیا'' کے جنوبی ساحلوں پر لنگر انداز ہوئے۔ مغل کیا جانیں یہ فرنگی 'مصالحہ فروش' کس ایجنڈے
پہ آئے ہیں! آگ لینے آئی گھر کی مالکن ہو بیٹھی! کئی سو سال کی اس محنت کے بعد یوں ہوا کہ وہ
خلافتِ اسلامیہ کو دو طرف سے گھیر اڈال چکے تھے!

گو یہ سچ ہے کہ خلافت خود ہی ضعف کی آخری حد کو پہنچ چکی تھی اور اس کے زوال کے
ان گنت اندرونی عوامل نے ہی بیرونی عناصر کیلئے ان کا کام آسان کیا۔

خلافت کا خاتمہ چنانچہ اسی دشمن کے ہاتھوں ہوا جس کا اس خلافت نے ناک میں دم کر
ر کھا تھا۔ اس دوران ملتِ روم کی سیادت کا پرچم 'برطانیہ عظمیٰ' British Empire کے ہاتھ
میں تھا اور اس کی کچھ جھنڈیاں فرانس کے پاس۔ البتہ خلافت کے ترکہ جات، جن کیلئے عرصہ سے
ان کی رال ٹپکتی تھی، ان کو ہضم ہونے والے نہ تھے۔ دراصل ان کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ دنیا ان کی
چیر پھاڑ کے لئے ہر رکاوٹ سے پاک ہو چکی ہے اور ان کی لوٹ مار کیلئے جہان بھر میں اب انکا
راستہ پوری طرح صاف ہے! ابھی خلافت کے خاتمہ کا رسمی اعلان نہ ہو پایا تھا کہ بھیڑیے شکار
چھوڑ کر آپس میں لڑ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے مابین تاریخِ انسانی کی دو تباہ کن ترین
جنگیں پیش آ گئیں، جن کو دنیا آج 'عالمی جنگوں' یا 'جنگِ عظیم' کے نام سے جانتی ہے! وہ سارا
ایجنڈا بیچ میں دھرا کا دھرا رہ گیا جس کے، یہاں عالمِ اسلام کے معاملہ میں، بڑی دیر سے خواب

دیکھے جارہے تھے!

سلطنتِ عثمانیہ بے شک ختم ہوئی مگر ساتھ ہی برطانیہ اور فرانس کی بھی کمر ٹوٹ چکی تھی! اب ملتِ روم کے 'بڑوں' نے یہ پرچم 'اٹلانٹک کے پار' منتقل کر دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ملتِ روم کا وہ سینگ جس سے کوئی پون صدی سے اب عالم اسلام کو بری طرح سابقہ پڑا رہا ہے، یا یوں کہیے عالم اسلام کی زندگی اجیرن کر دینے کی 'ذمہ داری' ان میں سے جس کے کاندھوں پر اب ڈال دی گئی ہے، وہ ہے 'امیریکن ایمپائر'۔ 'تیسری دنیا' میں دخل اندازی کیلئے اب اس کی باری تھی!

☆☆☆☆☆

ملتِ روم کے ساتھ اپنی کشمکش کے اس 'امریکی مرحلہ' پر کچھ بات ہم ایک فصل آگے چل کر کریں گے۔ ابھی آئندہ فصل میں، اس بات کا جائزہ لینے کیلئے کہ 'یورپی خانوادہ' آج سے نہیں بلکہ پچھلے ہزار سال سے ہی مسلم دنیا کی کمزوریوں اور رخنوں کی مسلسل تلاش میں رہا ہے، یعنی اسلام کے پہلے تین ادوار (خیر القرون) گزر جانے، اور مسلم معاشروں میں ایمانی و اجتماعی ضعف آجانے کے ساتھ ہی، یہ کیونکر ہماری جان اور ہماری زمین کے درپے ہوئے، اور یہ کہ اس کشمکش کی داستان کس قدر طویل ہے، اور یہ کہ صلیب کی عصبیت کس طرح اس قوم کی گھٹی میں پڑی ہے، اور یہ بھی کہ امتِ اسلام اس ظلم وعدوان کا کیونکر جواب دیتی رہی اور ان کے ان برے عزائم کو ہمارے اسلاف کیونکر خاک میں ملاتے رہے...... ہم ان صلیبی حملوں کی ایک مختصر تصویر دیکھیں گے جن کا کہ عالم اسلام کو ایک شدید ہدف بن کر رہنا پڑا۔

☆☆☆☆☆

عالم اسلام..

صلیبی چیر پھاڑ کا دیرینہ ہدف

یہاں ہم ان صلیبی مہمات کا ذکر نہیں کریں گے، جو اندلس میں اسلامی وجود کو ختم کر دینے کیلئے کئی صدیاں عمل میں لائی جاتی رہیں۔ نہ ہی ہم خطۂ بلقان کی صلیبی مہموں کا ذکر کریں گے اور نہ ہی ان مہمات کا جو کلیسا خود اپنے باغیوں اور 'زندیقوں' کے خلاف وقتاً فوقتاً برپا کرتا رہا۔ ہم صرف ان صلیبی مہمات کا ایک اچٹتا ذکر کریں گے جو عالم اسلام کے قلب کو ہدف بنا کر ہم پر یورش کرتی رہیں۔

پہلی صلیبی مہم:

۱۰۹۵ء تا ۱۰۹۹ء

بائزنٹین کی رومن ایمپائر جو کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ہی پورے ایشیا اور افریقہ سے بے دخل ہوگئی تھی اور ایشیا میں اس کے پاس صرف ایشیائے کوچک باقی رہ گیا تھا اور اس میں بھی وہ بدستور پیچھے سرکتی جا رہی تھی.. پانچویں صدی ہجری کے وسط تک، سلجوقی مسلم ترکوں کے ہاتھوں ایشیائے کوچک کا ایک بڑا حصہ کھو چکی تھی، اور خطرہ پڑ چکا تھا کہ روم کے ہاتھ سے ایشیا کا یہ آخری خطہ بھی ہمیشہ کیلئے نکل

جائے، خصوصاً تاریخ اسلام کے مشہور معرکہ 'ملاذ کرد' Manzikert (واقعہ ۱۰۷۱ء) کے بعد، جس میں الپ ارسلان کی قیادت میں سنی سلجوقوں نے اہل روم کو بدترین شکست سے دوچار کیا تھا۔

اس خطرے اور نقصان کو بھانپتے ہوئے، ۱۰۷۴ء میں رومن ایمپرر میکائیل ہفتم نے، جو کہ اب ارتھوڈکس مذہب اختیار کر چکا تھا، یورپ کے وسط میں بیٹھے کیتھولک پوپ گریگوری ہفتم کو مدد کی دہائی دی، جسے کیتھولک پوپ نے 'مسلک' کے فرق کے باعث نظر انداز کر دیا۔ چند ہی سالوں بعد، مدد کیلئے دوسری دہائی رومن ایمپرر الیکسی اس اول Alexius I نے گریگوری کے جانشین پوپ اربن دوئم کو دی، جس نے 'مذہبی اختلافات' کو نظر انداز کرتے ہوئے ارتھوڈکس سلطنتِ روم کی مدد کا فیصلہ کیا۔ تب تک مشرقی یورپ کے وحشی قبائل عیسائی بنائے جا چکے تھے جن کی جنگجوئی کو یورپ سے باہر کی راہ دکھانا ویسے بھی ضروری ہو گیا تھا!

۱۰۹۵ء میں، پوپ اربن دوئم نے صلیبی دنیا میں 'مقدس جنگ' کی کھلی منادی کروائی۔ ارض مقدس کو لینے کی مہم میں شرکت کرنے والوں کو مغفرت اور بہشت کی ضمانتیں دیں۔ کلیرمن کی کانفرنس (منعقدہ فرانس) میں اپنا تاریخی خطبہ دیا۔ پوپ کا یہ جملہ بھی نقل کیا گیا ہے: 'فرانس انسانی آبادی سے تنگ پڑ گیا ہے اور ارضِ کنعان میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں'۔ ہر طرف سے امڈ آنے والے صلیبی جتھے اگلے سال، ۱۰۹۶ء میں، رومن پایۂ تخت قسطنطنیہ میں اکٹھے ہوئے۔ جہاں سے پھر وہ عالم اسلام پر حملہ آور ہوئے۔ تب تلک سلجوقیوں کی مرکزی قوت کچھ اندرونی عوامل کے باعث ویسے ہی کمزور پڑ چکی تھی، خصوصاً ملکشاہ اول کی موت کے بعد سلاجقہ کی اندرونی خانہ جنگی اور پھر سلجوقی امرا کے مابین چھوٹی چھوٹی متحارب ریاستوں کی تقسیم اس صلیبی حملے کی راہ آسان کر چکی تھی۔ ضوریلیم Dorylaeum اور انطاکیہ میں سلجوقیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ ملوکِ طوائف میں سے کسی اور کو تو سامنے آنے کی ہمت ہی کیسے ہوتی!؟ جس کے بعد بیت المقدس تک صلیبیوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ آئی۔ کچھ دیر محاصرہ رکھنے کے بعد، شوال ۴۹۲ ہجری ۱۰۹۹ عیسوی، صلیبی بیت المقدس پر قابض ہو گئے۔ شہر میں تاریخ کا بدترین قتل عالم کیا

گیا، ساٹھ سے اسی ہزار انسان تہ تیغ ہوئے۔ اس دن پورا شہر خون سے لت پت تھا۔ خطے میں کئی صلیبی راجواڑے قائم کیئے گئے جن میں سب سے قابلِ ذکر، مملکتِ یروشلم، مملکت اڈیسا، انطاکیہ اور طرابلس تھی۔

اس کامیابی کے بعد ایک اور صلیبی مہم ۱۱۰۱ء میں یورپ سے روانہ کی گئی، مگر تاریخ میں یہ الگ سے ذکر نہیں ہوتی بلکہ پہلی صلیبی مہم ہی کے ساتھ ملحق سمجھی جاتی ہے۔

دوسری صلیبی مہم:

۱۱۴۷ء تا ۱۱۴۹ء

یہ پہلی صلیبی مہم تھی جس میں یورپ کے دو بادشاہ بنفس نفیس شریک ہوئے، فرانس کا بادشاہ لوئیس ہفتم اور جرمنی کا بادشاہ کونراڈ سوئم۔

۱۱۴۴ء میں موصل کے امیر عماد الدین زنگی نے موصل اور حلب کو یکجا کر لینے کے بعد، اپنے جہادی مشن میں کامیاب پیش قدمی کرتے ہوئے، اڈیسا (اسلامی نام رَھَا) کی صلیبی مملکت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ سب سے پہلی صلیبی مملکت تھی جو قدیم سے چلی آنے والی مسلم سرزمین میں قائم کر لی گئی تھی اور سب سے دور شمال میں واقع ہونے کے باوجود یہی سب سے پہلے گری۔ بڑے عرصے کے بعد مسلمانوں کو پہلی بار صلیبیوں کے مقابلے میں 'فتح' کا لفظ سننا نصیب ہوا۔ مسلمانوں کے حوصلے از سرِ نو بلند کرنے کا یہ سہرا عماد الدین اتا بک زنگی کو جاتا ہے۔ تب کیا تھا، یورپ میں فوراً خطرے کی گھنٹیاں بجا دی گئیں۔ اگلے سال، ۱۱۴۵ء میں، پوپ کے نمائندوں کی تحریک پر یورپ کے دو بادشاہ اور لاتعداد نواب کیل کانٹے سے لیس اپنی فوجوں کے ساتھ عالم اسلام پر حملہ آور ہوئے اور 'شام' کا قصہ ہمیشہ کیلئے پاک کر دینے کی ٹھانی۔ دونوں یورپی بادشاہ بازنطائن سے آگے گزرے تو اناطولیا میں سلجوقیوں کے ہاتھوں الگ الگ معرکوں میں شکست فاش کھائی اور ڈھیر سارا نقصان کرا لینے کے بعد بیت المقدس پہنچے۔

خدا کا کرنا، یہاں اس موقعہ پر صلیبیوں نے دمشق کا محاصرہ کر کے ایک فاش غلطی کی۔ دمشق کی مسلم امارت صلیبیوں کی حلیف رہی تھی اور حلب کے مجاہد زنگیوں کی حریف۔ البتہ صلیبیوں کی اس

حرکت نے دمشق اور حلب کی مسلم امارتوں کے مابین قربت بڑھادی، خصوصاً اس لئے بھی کہ تب تک حلب کی امارت عماد الدین کے بیٹے نور الدین محمود کے پاس آ چکی تھی جو کہ نیکی و تقویٰ اور عدل و انصاف میں عمر بن عبد العزیز کے بعد ذکر ہونے والے مسلم حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے، اور جو کہ مسلم شیرازہ کو ہر قیمت پر اور ہر قربانی دے کر مجتمع رکھنے کے مشن پر گامزن تھا۔ حلب و دمشق کی دیرینہ مخاصمت کو بھلا کر، نور الدین کی سپاہ دمشق میں گھرے ہوئے معین الدین انر کی مدد کو بروقت پہنچی اور ایک نہایت کامیاب حکمت عملی سے صلیبیوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔

مسلمانوں کی اس یکجہتی کے آگے، یورپ سے آئی ہوئی سپاہ اپنے بادشاہوں اور نوابوں سمیت ناکام و نامراد لوٹی۔ اتنی بڑی مہم کے یوں اکارت چلے جانے کے بعد پھر بڑی دیر تک یورپیوں کو کسی بڑی مہم کے تیار کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ادھر مسلمانوں کے پاس ایک صالح قیادت آ چکی تھی، جس کیلئے میدان بڑی حد تک خالی تھا، باوجود اس کے کہ شام کے اطراف واکناف میں قائم صلیبی ریاستوں کی بے تحاشا قوت تھی اور ضمیر فروشی کا پورا ایک جال نصب تھا۔

اب نور الدین محمودؒ کی تگ و تاز روز بروز بڑھنے لگی۔ چند ہی سالوں بعد دمشق بھی نور الدین کے زیر امارت آ گیا، جس کے ساتھ پورا شام اس کی قیادت تلے مجتمع ہو گیا۔ تب نور الدین مصر کی جانب متوجہ ہوا کیونکہ مصر اور شام کو اکٹھا کیے بغیر صلیبی یورپ کے ساتھ اس دور رس جنگ میں پورا نہ اترا جا سکتا تھا۔ مصر کا ایک متحدہ مسلم قیادت تلے آنے کا مشن بھی صلیبیوں کی کچھ اپنی ہی غلطیوں نے نور الدین کیلئے آسان کر دیا۔ نور الدین کے کمانڈر اسد الدین شیر کوہ نے مصر میں صلیبیوں کو پچھاڑ کر اپنی وزارت قائم کی، جس پر بعد ازاں، اسد الدین کا ہونہار بھتیجا صلاح الدین یوسف فائز ہوا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ نور الدین کی قیادت میں اسلام کے لشکر بیت المقدس کی جانب بڑھیں، مگر اس کے لئے نور الدین کی زندگی نے وفا نہ کی۔ نور الدین کی موت کے ساتھ ہی شام میں طوائف الملوکی کا پھر دور دورہ ہوا، اور خطے میں صلیبی استحکام کو واپس آنے کا ایک اور موقعہ ملا۔ مگر صلاح الدین نے، جو کہ نور الدین کا لگایا ہوا ایک صالح پودا تھا، کچھ سالوں کے اندر مصر میں فاطمیوں کی باطنی خلافت ختم

اور بغداد کی عباسی سنی خلافت کا خطبہ جاری کرنے کے بعد مصر کو از سرنو سنت پر کھڑا کر دیا اور وہاں سے ایک مضبوط جہادی لشکر تیار کیا۔ پھر شام کو طوائف الملو کی سے نکال کر اپنی قیادت کے تحت از سر نو مجتمع کیا۔ ایک مختصر عرصے میں شام اور مصر پھر ایک صالح قیادت تلے مجتمع ہو چکے تھے، بلکہ کئی اور مسلم خطے بھی ایوبی اقتدار کے زیر نگیں آ گئے تھے۔ ۵۸۳ھ بمطابق ۱۱۸۷ء تک، حطین کے تاریخی معرکے میں فتح اسلام کے بعد، بیت المقدس مسلمانوں کو واپس مل چکا تھا!

تیسری صلیبی مہم:

۱۱۸۹ء تا ۱۱۹۲ء

حطین ایک ایسا کامیاب معرکہ تھا گویا اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا۔ اس میں، عرب خطوں میں قائم نصرانی سلطنتوں کے سات صلیبی بادشاہ گرفتار ہو کر صلاح الدین کے سامنے لائے گئے تھے، جس سے صلیبی وجود کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ عالم صلیب پر یہ ایک ایسی چوٹ تھی جو صدیوں بھولنے والی نہ تھی۔ 'حطین کی شکست' اور 'بیت المقدس کا سقوط'، پوپ اربن ہشتم پر یہ خبر قیامت بن کر ٹوٹی، اور وہ اسی صدمے سے چل بسا۔ بوقت موت وہ اپنے جانشین گریگوری ہشتم کو ایک عظیم صلیبی مہم کی تیاری کی وصیت کر گیا۔ دو ماہ بعد گریگوری کی جگہ نیا پوپ کلیمنٹ سوئم فائز ہوا، جس نے اپنے کارڈینیل پورے یورپ میں دوڑائے۔ یہ کیتھولک اساقفہ پیدل چلتے اور فرانس، انگلستان اور جرمنی میں ہر طرف بیت المقدس کی دہائی دیتے۔

تب جرمنی کا بادشاہ فریڈرک اول، فرانس کا بادشاہ فلپ دوئم اور انگلینڈ کا بادشاہ رچرڈ شیر دل کلیسا کی اپیل پر اس 'مقدس' مشن پر نکلے۔ جرمن پہلے، یعنی ۱۱۸۹ء میں ہی، نکل پڑے۔ جرمن بادشاہ فریڈرک، بائز نٹائن کے راستے آگے بڑھتے ہوئے دریا میں غرق ہو گیا۔ اس کا تیس ہزار کا لشکر موسم کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوتا ہوا کچھ واپس چلا گیا اور کچھ اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے بالآخر عکہ، فلسطین پہنچا۔ فرانس کا فلپ اور انگلستان کا رچرڈ سال بھر تیاری کرتے رہے اور ۱۱۹۰ء کی موسم گرما میں عازم سفر ہوئے۔ سال راستے میں گزارا، اس دوران صقلیہ اور قبرص کے سٹریٹجک جزیرے صلیبی اقتدار میں شامل کئے۔ اگلے سال یعنی ۱۱۹۱ء میں، یہ شام کے ساحلوں

پر لنگر انداز ہوئے۔ فلسطین میں عکہ فتح کیا اور اس میں دو ہزر مسلمانوں کو ذبح کیا۔ اس کے بعد صلاح الدین کو شام کے ساحلوں پر پسپا کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر اللہ نے ان کو ناکام رہنے دیا۔ سال بھر زور لگا لینے کے بعد، ایک عہد نامہ کر کے اور ساحلی پٹی کو اپنے پاس رکھ کر اور باقی بلاد الشام پر، سمیت بیت المقدس، صلاح الدین کا حق حکمرانی تسلیم کرتے ہوئے، ستمبر ۱۱۹۲ء میں یہ یورپی لشکر واپس ہوئے۔

چوتھی صلیبی مہم:

۱۲۰۲ء تا ۱۲۰۴ء

یہ پوپ انوسینٹ سوئم Innocent III کی تحریک پر اٹھی تھی، جس کا مرکزی خیال یہ تھا کہ تیسری صلیبی مہم کی ناکامی کے بعد بیت المقدس واپس لینے کیلئے پہلے مصر پر قبضہ کیا جائے اور وہاں پیر مضبوط کر لیے جائیں، اس کے بعد پھر بیت المقدس کی جانب آگے بڑھا جائے۔ مگر یہ مہم اسلامی ساحلوں پر پہنچ ہی نہ پائی اور آپس کی پھوٹ کا شکار ہو کر اپنے ہی ملکوں میں ایک دوسرے کو تاراج کرتی قسطنطنیہ جا پہنچی، جہاں یہ آرتھوڈکس اور کیتھولک کی چشمک میں بدل گئی۔ کیتھولک کی فتح کے باوجود، پوپ نے اس پر ناخوشی کا اظہار کیا۔

پانچویں صلیبی مہم:

۱۲۱۷ء تا ۱۲۲۱ء

بیت المقدس کی 'واپسی' کیلئے کلیسا کی دعائیں اور التجائیں مسلسل جاری رہیں۔ اب کے ہنگری اور آسٹریا نے 'مقدس مشن' کیلئے کلیسا کو اپنی فوجیں دینا قبول کیں، جو بیت القدس کے (تخت سے محروم) صلیبی بادشاہ اور انطاکیہ کے صلیبی شہزادے کی سرکردگی میں ارض اسلام پر حملہ آور ہوئیں۔ یہ مصر میں ایک بڑے قتل عام کے بعد دمیاط کے خطے پر قابض ہوئیں جو کہ بقیہ مصر پر قابض ہو جانے کیلئے ایک اسٹریٹجک پوائنٹ ہے۔ تب مصر کا سلطان، صلاح الدین کا بھتیجا اور الملک العادل کا بیٹا، الملک الکامل تھا۔ دمیاط فتح کر لینے کے بعد مصر میں صلیبیوں نے

منصورہ کی چھاؤنی پر چڑھائی کی۔ مصر پر یہ ایک نازک ترین وقت تھا، مگر عین اس موقعہ پر نیل پورے زور سے بہہ نکلا۔ مسلم فوج نے ایک کامیاب حکمت عملی کے تحت اور ایک منظم انداز میں، نیل کے بند توڑ ڈالے اور صلیبیوں کی پیش قدمی کیلئے خطے کو دلدل بنا ڈالا، تب الملک العادل کے لشکروں نے شبخون مار کر صلیبی حملہ آوروں کا بھاری جانی نقصان کیا۔ مصر کی اسلامی فوج صلیبیوں کا اور بھی نقصان کرتی مگر تاتاریوں کے ممکنہ حملے کے پیش نظر الملک العادل نے آٹھ سال کیلئے صلیبیوں کے ساتھ متارکۂ جنگ کا معاہدہ کیا۔ الغرض، یہ صلیبی مہم بھی دوسری، تیسری اور چوتھی مہم کی طرح، ناکام ونامراد یورپ لوٹی۔

چھٹی صلیبی مہم:

۱۲۲۸ء تا ۱۲۲۹ء

پانچویں صلیبی مہم کی ناکامی پر ایک عشرے سے بھی کم گزرا تھا کہ یورپ ایک نئی صلیبی مہم نکال لایا۔ اس بار مہم کی قیادت جرمنوں کے پاس آئی۔ جرمن بادشاہ فریڈرک دوئم نے پانچویں صلیبی مہم میں شمولیت کیلئے نذر مانی تھی مگر کسی وجہ سے شامل نہ ہوسکا تھا۔ اس پانچویں مہم کی ناکامی کے ساتھ ہی پوپ نے جرمن بادشاہ سے اس 'قرض' کا تقاضا کرنا شروع کردیا تھا۔ فریڈرک منصوبہ بندی کا ماہر تھا اور اپنی اس مہم کی بھرپور تیاری کرتا مگر مہم کو مؤخر کرتا رہا۔ انتظار سے تنگ آکر پوپ نے فریڈرک کو کلیسا کی برکت سے محروم کردیا، جس کے پیچھے کوئی عوامل اور بھی کارفرما تھے۔ فریڈرک کی عالم اسلام پر مہم کا تمام تر عرصہ، کلیسا اس سے ناراض رہا۔ چنانچہ یہ پہلی مہم ہے جو کلیسا کے 'برکت' دیئے بغیر ہوئی جبکہ پہلی صلیبی مہم کے بعد یہ پہلی مہم ہے جس میں یورپ نے ایک زبردست کامیابی پائی!

فریڈرک نے شام اور مصر کے مابین اختلافات، جو کہ جنگ کی نوبت کو پہنچے ہوئے تھے، کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے جوڑ توڑ اور سازباز کا راستہ اپنایا اور بالآخر وہ الملک الکامل کو ایک معاہدے پر مجبور کردینے میں کامیاب ہوا، جس کی رو سے بیت المقدس کا شہر (مسجد اقصیٰ

کے احاطے کو چھوڑ کر) صلیبیوں کو واپس ملا بلکہ ناصرہ، بیت لحم اور کچھ دیگر شہر جو یورپیوں کو بیت المقدس آنے کیلئے راستے میں پڑتے تھے، صلیبیوں کے پاس چلے گئے۔ یوں بغیر کسی بھی جنگ کے یروشلم میں پھر سے نصرانی سلطنت قائم ہوئی، البتہ اس بار کوئی عشرہ بھر ہی قائم رہ سکی (اسی لئے بیت المقدس پر اس صلیبی قبضہ کا عام طور پر ذکر نہیں ہوتا)۔ کلیسا کی ناراضی کے باعث فریڈرک نے شاہِ یروشلم کے طور پر خود ہی اپنی تاج پوشی کی۔ واپسی پر یورپ میں فریڈرک اور پوپ کے اپنے مابین جنگ چھڑی، جس میں فریڈرک کامیاب رہا۔ مفتوح ہو جانے کے بعد پوپ نے شاہ جرمنی کی کلیسائی نسبت بحال کی اور اس کے وہ کامیاب معاہدے جو وہ مسلم سلطان کے ساتھ کر آیا تھا، ان پر بھی صاد کر دیا!

۱۲۳۹ء میں، مصر کے ایوبی سلطان، نجم الدین ایوب نے صلیبی افواج کو عسقلان میں شکست فاش دی۔ پوپ کے واویلے پر کچھ یورپی فوجیں نیم دلی کے ساتھ پھر آئیں۔ ایک بار پھر جوڑ توڑ کا تجربہ کیا گیا۔ اب کے مصر کے خلاف شام کے ساتھ ساز باز کی گئی، مگر یہ صلیبیوں کو راس نہ آئی۔ قبل اس کے کہ ان کی شیطانی چالیں مزید آگے بڑھتیں، ۱۲۴۴ء میں، تاریخ اسلام کے مشہور کمانڈر رکن الدین بیبرس نے مصر سے دس ہزار خوارزمی اسپ سواروں کے ساتھ، طوفانی پیش قدمی کرتے ہوئے، چڑھائی کی اور بیت المقدس میں صلیبیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ بیت المقدس ایک بار پھر اذانوں سے گونج رہا تھا!

ساتویں صلیبی مہم:

۱۲۴۵ء تا ۱۲۷۲ء

بیت المقدس کے دوبارہ سقوط پر کلیسا نے یورپ میں پھر دہائی مچائی، جس کا کچھ دیر تک کوئی خاص اثر دیکھنے میں نہ آیا۔ تا آنکہ فرانس کے بادشاہ لوئیس نہم نے کلیسا کی صدا پر لبیک کہی، اور پھر اس کی پوری زندگی 'مقدس مشن' میں گزر گئی۔ ادھر عالم اسلام میں اس وقت امام عز الدین بن عبد السلامؒ ایمان کی روح پھونک رہے تھے۔

۱۲۴۵ء میں لوئیس نہم Louis IX نے مصر پر حملہ کیا۔ دمیاط لیا۔ منصورہ پر قابض ہوا، جو کہ مسلمانوں کی ایک مضبوط ترین چھاؤنی تھی۔ عین اس موقعہ پر مسلم بادشاہ نجم الدین ایوبی فوت ہو گیا۔ مگر سیف الدین قطز اور رکن الدین بیبرس، تاریخ اسلام کے دو مایہ ناز مصری سپہ سالار، صلیبیوں کا منصورہ میں محاصرہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ قلعہ میں محصور ہونے تک صلیبی سپاہ کا ایک بڑا حصہ تہ تیغ ہو چکا تھا۔ ممالیک سپاہ نے منصورہ تک پہنچا ہوا صلیبیوں کا بہت بڑا بحری بیڑہ بھی غرقاب کر دیا۔ پیچھے دمیاط میں صلیبی کمک کے سب رابطے بقیہ لشکر کے ساتھ کاٹ دیئے گئے۔ قلعے میں صلیبی بھوک سے مرنے لگے تو ہر قیمت پر پسپا ہو جانے کے سوا کوئی چارہ نہ پایا۔ عین اسی وقت صلیبی افواج میں خطرناک وبائیں پھوٹ نکلیں۔ عجیب وغریب امراض ان پر حملہ آور ہوئیں۔ خود فرانسیسی بادشاہ لوئیس کے دانت جھڑنے لگے۔ فرار ہونے کے دوران صلیبی ہزاروں کے ہزار مسلم سپاہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، جن میں خود فرانس کا بادشاہ بھی تھا۔ ایوبی خاندان کے آخری بادشاہ توران شاہ کی ہدایت پر ایک مسلم طبیب نے، علاج کر کے، مرض سے بے حال بادشاہ کی جان بچائی۔ فرانس سے چار لاکھ بھاری طلائی سکوں کا تاوان بھیجا گیا اور باقی چار لاکھ طلائی سکوں کا ادھار کیا گیا تو تب جا کر فرانس کے اس بادشاہ کو مسلمانوں کی قید سے رہائی نصیب ہوئی۔ رہا ہونے کے بعد صلیبی بادشاہ نے عکہ میں، جو کہ شام وفلسطین میں واحد صلیبی مملکت رہ گئی تھی، قیام کیا اور چار سال تک صلیبی جنگوں کی آگ از سر نو بھڑکانے کی کوشش کرتا رہا۔ بالآخر، ناکام ونامراد، ۱۲۵۰ء میں فرانس لوٹ گیا۔

بیس سال تک لوئیس نہم پھر تیاریاں کرتا رہا اور ۱۲۷۰ء میں ایک اور صلیبی مہم تیار کر لایا۔ مگر ممالیک کی قوت دیکھ کر مصر یا شام آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تب یہ شمالی افریقہ میں تیونس کے ساحلوں پر اترا۔ تیونس میں پھر لوئیس پر بیماریاں پھوٹیں، دو ماہ بعد ہی لوئیس کو اجل نے آلیا۔ ایک کو چھوڑ کر لوئیس کے سب بیٹے بھی انہی وباؤں سے ہلاک ہوئے۔ یہ ایک بڑی مہم تھی اور تیونس ایک کمزور اسلامی مملکت تھی۔ لوئیس کے بیٹے اور بھائی نے تیونس کے سلطان المستنصر کو اپنا باج

گزر ابنا لینے پر اکتفا کیا اور مصر کی جانب آگے بڑھے بغیر، یورپ واپسی کی راہ لی۔ البتہ انگلستان کے ایڈورڈ اول نے، جو کہ تیونس کی مہم میں فرانس کے لوئیس کا ساتھ دے چکا تھا، اگلے سال یعنی ۱۲۷۱ء میں ایک اور مہم نکالی اور شام میں کوئی خاص کامیابی حاصل کئے بغیر، ایک سال بعد لوٹ گیا۔

بیشتر مؤرخین لوئیس نہم کی پہلی اور دوسری اور پھر ایڈورڈ اول کی مہم کو بالترتیب آٹھویں، نویں اور دسویں صلیبی مہم شمار کرتے ہیں، گو ہم نے ان سب کو ساتویں مہم کے تحت ہی ذکر کر دیا ہے۔

فرانس کے بادشاہ لوئیس نہم کی عظیم خدمات اور قربانیوں کے اعتراف میں، کلیسا نے اس کو سینٹ یعنی 'ولی' کا رتبہ دیا۔ مغربی تاریخ میں یہ ایک عظیم شخصیت مانی جاتی ہے۔ امریکہ کا مشہور شہر سینٹ لوئیس مزوری St. Louis, Missouri اسی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

لوئیس نہم کی ان مہمات کے بعد، دولتِ ممالیک کی قوت نے کسی کو ادھر کا رخ کرنے کی اجازت نہ دی۔ رکن الدین بیبرس نے، جو بعد ازاں سلطان ظاہر کے لقب سے حکمران ہوا، شام سے صلیبی بقایا جات کا صفایا کر کے رکھ دیا اور قیساریہ، وارسف اور یافا سے لے کر انطاکیہ تک کو اسلامی قلمرو کے ناقابل تسخیر حصے بنا دیا۔ اس کے بعد عثمانی منصۂ شہود پر آئے، جس سے صلیبی یورپ کئی صدیوں کیلئے یہاں سے پسپا ہو گیا...... تا آنکہ ۱۷۹۸ء میں فرانس کا نپولین بونا پارٹ مصر پر قابض ہوا۔ اس سے اگلے سال یعنی ۱۷۹۹ء میں انگریز فوج ٹیپو سلطان کی سلطنتِ میسور لے رہی تھی، جبکہ اس سے کچھ عشرے پیشتر، یعنی ۱۷۵۷ء میں، انگریز جنوبی ہند میں سراج الدولہ کی ریاست سرنگا پٹم لے چکے تھے۔ عالم اسلام پر اب یہ 'استعماری' یورش تھی، جس کو کہ آٹھویں صلیبی مہم کہا جا سکتا ہے اور جو کہ دو صدی سے زائد عرصہ جاری رہی۔ جبکہ نویں صلیبی مہم کا آغاز آپ پچھلی صدی کی آخری دہائی (۱۹۹۱ء) سے شمار کر سکتے ہیں جب 'امیریکن ایمپائر' نے، بش سینئر کی سرکردگی میں عراق پر کارروائی کی، اور بعد ازاں اس کے جانشین بش جونیئر نے ۲۰۰۲ء میں افغانستان پر اور پھر تھوڑے وقفے سے عراق پر قبضہ کیا اور یہاں اسلحہ بارود کی تباہ کاریوں کی نئی مثالیں اور نئے ریکارڈ قائم کئے، اور آگے نہ جانے ابھی وہ کیا کیا عزائم لئے بیٹھے ہیں۔

☆☆☆☆☆

یہاں یہ ذکر کرتے چلیں کہ وہ صلیبی بغض و کینہ جو ابتدا کے اندر ان کی جنگوں کا محرک رہا ہے وہ آج بھی پوری طرح زندہ ہے اور برطانیہ، فرانس، اٹلی، سپین، پرتگال اور اب امریکہ کی اس یورش میں جو پچھلی چار صدیوں سے ایک تسلسل کے ساتھ عالم اسلام پر کی جا رہی ہے، عین وہی روح کارفرما ہے، جس کی دہائی ان کے پوپ اربن دوئم نے اس وقت دی تھی جب پہلے پہل صلیبیوں کو عالم اسلام پر چڑھا لانے کیلئے اس کی نظر میں انجیل اور مسیح کے واسطے دیئے جانا ضروری ہو گیا تھا۔

ہم اپنے ان تجزیہ نگاروں سے اختلاف نہیں کرتے جو ان استعماری حملوں کا محرک 'وسائل پر قبضہ و دسترس' بیان کرتے ہیں۔ بلاشبہ عالم اسلام کے 'وسائل' پر تسلط پانا اور یہاں پائے جانے انسانوں کو 'مزدوروں'، 'کان کنوں' اور 'ٹیکس کلکٹروں' کی صورت میں دیکھنا ان کی اس تگ و دو کا ایک بڑا محرک رہا ہے اور آج تک ہے۔ صرف ان آخری صدیوں کے صلیبی حملوں کی ہی بات نہیں پہلی صلیبی جنگوں کے پیچھے بھی یقیناً بہت بڑی حد تک، خصوصاً صلیبی راجواڑوں کے ذہن میں، اقتصادی عوامل ہی کارفرما تھے، جن کو بروئے کار لانے کیلئے 'عوام' کے 'مذہبی جذبہ' کو پہلے مہمیز دی گئی اور پھر اس کو بڑی شیطنت کے ساتھ استعمال کیا گیا۔

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ عباسی دور کے اندر عالم اسلام میں زندگی کی جو آسائشیں پائی گئی تھیں اور یہاں ضروریاتِ زیست کی جو فراوانی تھی، یورپ کے پسماندہ ملکوں میں اس کا ذکر حیرت و استعجاب کے ساتھ ہوتا اور ایک ناقابل یقین انداز میں سنا جاتا تھا، یوں یہاں دولت کی ریل پیل کا سن کر وہاں ان کی رال بہنے لگتی تھی، جو کہ بالآخر ان کی اس مہم جوئی کا ایک محرک

---

(۱۱) Anti-Christ کا لفظ عیسائیوں کے ہاں 'جھوٹے مسیح' کیلئے مستعمل ہے، جو کہ مسیح کے خلاف جنگ کیلئے نکلے گا اور پوری دنیا میں پہنچے گا، بالفاظِ دیگر 'مسیح دجال'۔ اب کیونکہ نبی ﷺ کی دعوت کے زیر اثر دنیا میں مسیح کی خدائی کا انکار ہونے لگا اور جو کہ کلیسا کے ہاں ایک 'مسلمہ' کی حیثیت رکھتی رہی ہے، اس بنا پر ان میں سے بعض بدبخت نبی ﷺ کے لئے ایسے گھناؤنے لقب تک استعمال کرنے سے باز نہ آئے، العیاذ باللہ۔ جبکہ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ نبی ﷺ نے مسیحؑ کی خدائی کا انکار ضرور کرایا، کیونکہ خدائی ہے ہی صرف ایک خدا کو سزاوار، مگر سب جانتے ہیں آپ مسیحؑ کی رسالت اور مادرِ مسیحؑ کی برائت کو چہار دانگ دنیا میں نشر کرنے آئے تھے اور آج اگر عالم اسلام کی صورت میں دنیا کی ایک چوتھائی مسیح علیہ السلام کے احترام کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتی ہے تو وہ محمد ﷺ کی تعلیم کے نتیجے میں ہے۔

بنی۔ یہ بات درست ہے مگر یہ اس بات سے متعارض نہیں کہ اس یورش کے پیچھے مذہبی عصبیت بھی قوی طور پر کارفرما ہو، خصوصاً وہ کینہ اور حسد جو یہ امتِ اسلام کے ساتھ رکھتے ہیں بلکہ سب سے بڑھ کر وہ حسد جو یہ نبی آخرالزمان ﷺ کے ساتھ رکھتے ہیں، یہاں تک کہ پوپ اربن دوئم جس وقت عیسائی دنیا میں عالم اسلام کے خلاف صلیبی جنگوں کی آگ بڑھکا رہا تھا اس وقت وہ نبی رحمۃ للعالمینؐ کو مسیحؑ کا سب سے بڑا حریف، بلکہ بعض روایات کی رو سے، وہ آپ ﷺ کو معاذاللہ ثم معاذاللہ Anti- Christ قرار دیتا رہا ہے"[11]۔

یعنی یہ بالکل ممکن ہے کہ کسی عمل کے پیچھے مذہبی، نسلی، عصبیتی اور معاشی و استعماری محرکات بیک وقت کارفرما ہوں۔ جب ایسا ہے تو اس جدلیات میں پڑنا فضول ہے کہ یہ 'تیل پر قبضہ اور اجارہ داری کی دوڑ' ہے یا 'اسلام کے ساتھ جنگ'؟ خباثت کے یہ دونوں عنصر آخر بیک وقت کیوں نہیں پائے جاسکتے؟!!

'عمل' کے اندر 'معاشی محرکات' سے تجرد اور بے لوثی پیدا کرنا تو اہلِ ایمان کیلئے ایک مشکل کام ہے، تبھی قرآنی آیات "جہاد" کے سیاق میں بار بار اس کی یاددہانی کراتی ہیں۔ جب ایسا ہے تو پھر بے ایمانوں میں 'اقتصادی محرکات' کے ناپید ہونے کا مفروضہ ہم کیوں قائم کریں؟!

اُحد کے موقعہ پر نازل ہونے والی آیت منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الآخرۃ یعنی "تم میں سے کوئی دنیا کا طلبگار ہے اور کوئی آخرت کا" کی بابت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں: اُحد کے روز تک مجھے معلوم نہ تھا کہ ہم میں کوئی ایسا بھی شخص ہے جو دنیا کا طلبگار ہے"![12] چنانچہ اگر موحدین کے ہاں اخلاصِ نیت پر اس قدر زور دینا پڑتا ہے، جبکہ اِن کا مقصود سوائے ایک ذات کے کوئی ہے ہی نہیں، تو پھر مشرکوں میں تو خیر مانع ہی کیا کہ نیتوں کے اندر کئی سارے فتور بیک وقت جمع ہوں اور 'پیٹ کے الٰہ' سمیت کئی خداؤں کی بیک وقت پرستش کی جارہی ہو؟!

سو یہ جنگیں استعماری اور استحصالی ہونے کے ساتھ ساتھ، بلاشبہہ، صلیبی جنگیں ہیں۔ صرف آج سے نہیں، صلیبی جنگیں ہمیشہ سے ایسی رہی ہیں۔ بغضِ اسلام کے ساتھ ساتھ، لوٹ،

---

(۱۲) دیکھئے تفسیر طبری بابت آیت ۱۵۲ سورۃ آل عمران

ڈکیتی، دھونس، قبضہ اور استحصال ایسے گھناؤنے مقاصد، ان کے عالم اسلام پر چڑھ آنے کا باعث ہمیشہ سے رہے ہیں، اور یہ ہرگز ان کی نسبت کوئی نئی بات نہیں۔

پس یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ 'صلیبی جنگوں' کی یہ طویل کہانی جو مرحلہ در مرحلہ اب تک جاری ہے، صرف ہمارے 'سالاروں' کو بھولی ہے نہ کہ ان کے 'کمان داروں' کو، کیونکہ دو صدیوں سے ہمارے تمغہ بردار افسرانِ سپاہ انہی کی دی ہوئی تربیت لیتے اور انہی کو 'سر' کہتے آئے ہیں، الا ماشاءاللہ، لہٰذا کوئی فرق اگر پڑا ہے تو وہ ہمارے ہاں پڑا ہے نہ کہ ان کے ہاں..

اس کے بھی اب ذرا چند شواہد دیکھئے:

۱۹۱۷ء میں برطانیہ کا جنرل ایڈمنڈ ایلن بی Edmund Allenby مصر اور شام میں کامیاب ایکشن کرتا ہوا بیت المقدس، جس کو یہ یروشلم کہتے ہیں، میں داخل ہوتا ہے تو اس کا اپنا کہنا ہے: 'میں شہر مقدس میں سواری سے اتر آیا، میرے سب رفقائے کار نے میرا ساتھ دیا۔ ہم نے اپنے جوتے بھی اتار دیئے اور ننگے پاؤں شہر مقدس Holy City میں داخل ہوئے'۔ بیت المقدس کے وسط میں پہنچ کر اس برطانوی جرنیل نے البتہ جو جملہ کہا وہ یہ تھا:

'صلیبی جنگیں آج ختم ہوئیں، نہ کہ اُس دن جس دن صلاح الدین نے ہمیں یہاں سے پسپا کیا تھا'!

یہ بھی معروف ہے کہ برطانیہ کے اُس وقت کے وزیر خارجہ لوئڈ جارج Lloyd George نے اپنے اس بہادر جرنیل کے نام 'فتح یروشلم' کی خوشی پر ایک مراسلہ لکھا، جس میں کہا گیا تھا:

'مبارک ہو، 'آٹھویں صلیبی مہم' کامیاب ہوئی !!!'

---

(۱۳) رچرڈ شیر دل Richard, the Lion Heart انگلستان کا بادشاہ جو صلاح الدین ایوبی کی فتح اور شہر مقدس کے صلیبیوں سے 'چھن جانے' کی خبر سن کر بیٹھا نہ رہ سکا اور ایک بھاری فوج لے کر بنفس نفیس 'Holy City' کو صلیبی قلمرو میں واپس دلانے آیا اور یہاں آ کر یورپ کی 'اتحادی افواج' کی قیادت سنبھالی۔ مگر کئی سال کوشش کر چکنے کے بعد، صلاح الدینؒ کے عزم واستقلال سے شکست کھا کر، اور کچھا اپنے ملک کے داخلی مسائل کے ہاتھوں مجبور ہو کر، پھر آنے کا عندیہ دے کر، ناکام ونامراد انگلستان لوٹ گیا، مگر راستے میں اپنے ایک یورپی حریف کے ہاتھوں قید ہو گیا۔

یہ وہی بد بخت برطانوی وزیر خارجہ (لویڈ جارج) ہے، جو بلفور ڈیکلیریشن، جس کی رو سے سرزمین قدس پر یہودی تسلط کی بنیاد رکھی گئی، کو صادر کرانے کے مرکزی کرداروں میں سے ایک کردار تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جس روز برطانوی افواج کے ہاتھوں 'یروشلم' فتح ہو جانے کی خبر برطانیہ کے اندر شائع کی گئی، اس روز وہاں کے اخبار The Punch نے ایک خاکہ شائع کیا جس میں رچرڈ شیر دل [13] کو فخر کے ساتھ بیت المقدس پر نظریں گاڑے اور یہ کہتے ہوئے دکھایا گیا: 'میرا وہ خواب آخر شرمندۂ تعبیر ہوا'۔

اس سے تین سال بعد، ۱۹۲۰ء میں، فرانسیسی جنرل ہنری گوروڈ Henri Gouraud، خلافتِ عثمانی کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دینے والے عرب موقعہ پرستوں کی 'مدد' کیلئے عرب خطوں کو روندتا ہوا شام میں وارد ہوتا ہے، تب وہ دمشق میں فاتحانہ شان کے ساتھ داخل ہوتا ہے تو جامع مسجد اموی کے قریب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی قبر پر جانا نہیں بھولتا۔ عالم اسلام کے اس عظیم سپوت کی موت کے پورے ساڑھے سات سو سال بعد، اس کی تربت پر کھڑا ہو کر تب صلیب کا یہ پجاری کہتا ہے: 'آنکھ کھول کر دیکھو، صلاح الدین، ہم پھر آ چکے'!

اس سے پہلے، ۱۹۱۱ء میں، فرانس مراکش فتح کرتا ہے تو فرانسیسی جنرل لوییس ہیوبرٹ لیوٹے Louis Hubert Lyautey، سلطان دولتِ مرابطین یوسف بن تاشفینؒ کی قبر کی 'زیارت' کرنا نہیں بھولتا، جہاں کھڑا ہو کر، اور بعض روایات کی رو سے تو قبر کو ٹھوکر مار کر، کہتا ہے: 'اٹھو، تاشفین کے بچے، ہم نے آنا تھا اور آ گر رہے ہے'!

اور اب جب 'صلاح الدین اور تاشفین کے بچے' اسی مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اٹھ رہے ہیں تو اُن کو، حتیٰ کہ ہمارے بہت سے 'حقیقت نگاروں' کو، حیرانی ہوتی ہے کہ تین سو سال تک مسلسل مار کھانے کے بعد بھی 'جاگ جانے' کی آخر کیا جلدی تھی!

اور پھر ابھی حال ہی میں، ۲۰۰۲ء کی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے، ملتِ روم کا اپنے

وقت کا سب سے بااثر اور طاقتور حکمران جارج ڈبلیو بش جونیئر، اپنی قوم کو مژدہ سناتا ہے کہ یہ ایک صلیبی مشن ہے! دوسرے لفظوں میں آپ کہنا چاہیں تو 'عالم اسلام پر نویں صلیبی مہم'!!!

ان کی یہ نویں صلیبی مہم اب ہماری آئندہ فصل کا موضوع ہوگا۔

☆☆☆☆☆

اب جب ہم 'ملتِ روم' سے ذرا تفصیل کے ساتھ واقف ہو آئے ہیں اور اس جنگ کی حقیقت، پسِ منظر اور مضمرات سے بھی آگاہ ہو آئے ہیں جو اس کی جانب سے ملتِ توحید کے خلاف چودہ صدیوں سے کھڑی کی جاتی رہی ہے...... اور حدیث کے اندر یہ بھی پڑھ آئے ہیں کہ روم کے ایک نہیں کئی سینگ ہوں گے جو ایک کے بعد ایک نمودار ہوں گے، نہ صرف نمودار ہوں گے بلکہ ان شاء اللہ ہلاک بھی ہوتے رہیں گے......

تو پھر اب ہم ذرا یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ ملتِ روم کا وہ کونسا سینگ ہے جو آج ہم پر حملہ آور ہے اور جس کی جانب ہمیں اپنی توجہ خاص طور پر مرکوز کر دینی ہے؟ علاوہ ازیں ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا روم کے اس حالیہ 'سینگ' کے ساتھ ہمارا معرکہ

اب کس مرحلہ میں داخل ہو گیا ہے اور اس کو ایک فیصلہ کن مقام پر جلد از جلد پہنچانے کیلئے اور اس کو اپنے طبعی انجام سے قریب تر کر دینے کیلئے ہمیں کن امور پر سب سے زیادہ زور دینا ہے......

☆☆☆☆☆

ملتِ کفر کا حالیہ نقیب اور ہمارے اس معرکہ کا فیصلہ کن موڑ

وہ سب کینہ و بغض جو تاریخی طور پر ملتِ روم ہمارے ساتھ رکھے رہی ہے اور جس کو وہ اپنا مقدس ترین ورثہ جانتی ہے...... وہ سب کا سب کینہ و بغض 'سیادتِ مغرب' کے اس 'پرچم' کے ساتھ ہی 'یورپ' سے اب 'قیادت ہائے امریکہ' کو منتقل ہو چکا ہے۔

ملتِ روم کے اس فرزند سے کوئی اور چوک ہو یا نہ ہو، مسلمانوں کے ہر دشمن کو دوست اور ہر دوست کو دشمن سمجھنے میں کبھی ایک بار بھی چوک نہیں ہو پاتی۔ مسلمانوں کا کوئی ایک مفاد ایسا نہ ہو گا جس کو زک پہنچانا مغرب کے اس 'پرچم بردار' کو کبھی بھول گیا ہو۔ جنرل اسمبلی سے لے کر

سلامتی کونسل تک اور نیٹو سے لے کر ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف تک، ہر جگہ اور ہر فورم پر مسلمانوں کی تباہی کا ہر منصوبہ اور ہر سازش اس کی کھلی تائید اور حمایت پاتی ہے۔

اسرائیل سے لے کر بھارت تک اور اتھیوپیا و جنوبی سوڈان سے لے کر فلپائن کے صلیبیوں اور مشرقی تیمور کے باغیوں تک مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہر سرکش اور ہر غاصب اس کو 'مظلومیت' کی داستان نظر آتا رہا اور فلسطین سے کشمیر تک اور ارٹریا و صومالیہ سے مسلم تھائی لینڈ اور مسلم فلپائن تک ہر نہتی مسلم قوم اس کو 'دہشت گرد' اور 'عالمی امن کیلئے شدید خطرہ' دکھائی دیتی رہی۔

ملتِ روم کے اِس حالیہ 'نقیب'(۱۴) کی حقیقتِ حال ہماری آنکھوں سے اوجھل رہی تو کچھ اس لئے بھی کہ اس کی اصل حقیقت پر 'کمیونزم کے خلاف جنگ' نے ایک وقتی سا پردہ تان دیا تھا۔ البتہ اس کا اصل چہرہ کوئی ہے تو وہی جس سے دنیا 'کمیونزم کے سقوط کے بعد' اب واقف ہو رہی ہے، اور جس میں، سوائے اسلام کے خلاف اندھی نفرت اور بغض کے، کوئی دوسرا نقش نظر تک نہیں آتا!

بے شک کمیونزم ایک بڑا اور فوری خطرہ تھا اور اس کے خلاف عالم اسلام نے جو اقدام کیا وہ بے حد ضروری تھا، اور بے شک 'روس' بھی اصل میں تو ملتِ روم کے ہاں سے ہی ابھر آنے والا ایک 'سینگ' رہا ہے، اس کے باوجود 'بنی الاصفر' کا تاریخی ورثہ سارے کا سارا بلا کم وکاست 'امیریکن ایمپائر' ہی کو منتقل ہوا ہے اور ملتِ روم کے سب تاریخی خصائص بدرجۂ اتم اسی عالمی قوت کے حصے میں آئے ہیں، جو کہ جغرافیائی طور پر گو بحر اوقیانوس کے پار بیٹھی ہے مگر عملاً اس کی فوجیں اور طیارہ و میزائل بردار بحری بیڑے اس وقت سات سمندروں اور سات براعظموں کا گشت کرتے پھر رہے ہیں اور پوری دنیا خصوصاً عالم اسلام کو اپنی جکڑ میں رکھنے کیلئے

(۱۴) مراد ہے امریکی انتظامیہ

ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

چنانچہ یہ ایک طبعی بات تھی کہ کمیونزم سے نمٹنے کا 'عبوری دور' گزارتے ہی یہ معاملہ وہیں پر آرہتا جہاں پر یہ پچھلے چودہ سو سال سے ہے اور یہ کہ جس جگہ پر یہ لوگ 'عالمی جنگوں' کے چھڑ جانے کے باعث ہمیں چھوڑ کر گھر جانے پر مجبور ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ہی پھر روس کے ساتھ چھڑ جانے والی ان کی سرد جنگ نے ہمارے کچھ عشرے نکلوا دیئے تھے، جس سے ہمیں اپنی صفیں درست کر لینے کا کچھ تھوڑا سا موقعہ ہاتھ آ گیا تھا... طبعی بات تھی کہ 'روس' وغیرہ سے فارغ ہوتے ہی یہ ہمیں وہیں سے آ کر پھر دبوچ لیں اور عالم اسلام کے اندر اپنے اسی ایجنڈے کی تکمیل پر از سر نو جت جائیں جس میں کچھ 'مجبوریوں'[۱۵] کے باعث کوئی صدی بھر کا تعطل آ گیا تھا اور جس میں سر فہرست اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ ''خلافت'' کا امکان اس امت کے اندر اب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے کیونکہ 'خلافت' ایک 'ڈراؤنا خواب' ہے جو آج اگر قائم ہو جاتی ہے تو ان کو ڈر ہے کہ کمزور قوموں کے وسائل ہڑپ کرنے اور 'تیسری دنیا' کے اندر لوٹ مچانے کی آزادیاں تو رہ گئیں ایک طرف، یہ (خلافت) ان کو بحر اوقیانوس Atlantic Ocean کے دوسرے پار چھوڑ کر آئے گی، وہ بھی اگر یہ ان کے ساتھ 'پورا پورا حساب' کرنے پر نہ آئی ورنہ 'خطرہ' اس سے بھی کہیں بڑا ہے!

---

(۱۵) 'مجبوریوں' سے مراد ہے پہلے دو عالمی جنگیں، جن کی تیاری اور پھر ان جنگوں کے دوران ان کی سرگرمی اور ان کی خوفناک تباہی ان کی نصف صدی سے زیادہ لے گئی، پھر اس کے متصل بعد سرد جنگ جو ان کی مزید کوئی پون صدی گل کر گئی، اس دوران یہ عالم اسلام میں وہ کچھ نہیں کر سکے جو اس صورت میں ہوتا اگر ان کو اپنی یہ پیتا نہ پڑتی۔ یوں عالم اسلام جو پوری طرح ان کے نرغے میں آ چکا تھا پھر اپنا کچھ نہ کچھ بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ عالم اسلام کی حالت ان لوگوں کے ہاتھوں جتنی بھی دگرگوں ہوئی اور اس کے سب تہذیبی خدوخال جتنے بھی مسخ ہوئے، یہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ہوتا اگر ان کو دل کی حسرتیں پوری کرنے کا موقعہ یہاں مل گیا ہوتا۔ البتہ اب ہمارے کچھ لوگ، خصوصاً تعلیم و تربیت اور میڈیا کے میدانوں میں، ان کے ایجنڈے کامیاب کرانے کے مشن پر ہیں اور شاہ سے بڑھ کر شاہ کے وفادار۔ مگر ہم سمجھتے ہیں ان سب کے ہی ہاتھ سے وقت نکل گیا ہے، اور یہ 'ضعیفوں' پر اللہ کا فضل ہے!

''خلافت'' چونکہ ایک ایسا ادارہ ہے جو ایمان اور جہاد کی ایک خاص فضا میں قائم ہوتا ہے اور مسلم معاشروں کے، اسلامی تربیت اور تہذیبی پختگی کی ایک خاص سطح کو پہنچا ہونے کی عکاسی کرتا ہے، لہٰذا ''خلافت'' کے قیام کا امکان ختم کر دینے کا راستہ صرف اور صرف یہاں سے گزرتا ہے کہ اس امت کے اندر ایمان، عقیدہ، علم اور تربیت کے سب سوتے خشک کر دیئے جائیں، اس امت کو قرآن کا نام تک بھول جائے اور ''جہاد'' کا لفظ تو مسلمانوں کی قاموس سے ہی خارج کر دیا جائے کیونکہ جب بھی ''ایمان، عقیدہ، علم اور تربیت'' کے عمل نے ''جہاد'' کو جنم دیا اور یہ واقعہ امت میں کسی بڑی سطح پر رونما ہونے لگا ''خلافت'' کے سوا اس کی طبعی منزل تب کوئی ہو سکتی ہے اور نہ کسی مسلمان کے ذہن میں اس کے سوا کوئی بات فٹ بیٹھتی ہے۔ کیا یہ بات ان کے لئے پریشان کن نہیں کہ دین کی طرف آنے والا ایک معمولی فہم کا مالک مسلمان بھی ''خلافت'' کے سوال پر بہت جلد پہنچ جاتا ہے اور ''تاریخ'' پڑھنے والا تو ہر شخص یہ پوچھنے بیٹھ جاتا ہے کہ آخر یہ ''خلافت'' کیا چیز تھی؟!

آج ہمارے مدرسوں اور تعلیمی نظاموں کی بابت اس قدر گہری تشویش اسی 'خوف' کی علامت ہے اور اس کو کسی چھوٹے سیاق minor context میں لینا ہماری ایک بڑی غلطی ہوگی ۔ بعید نہیں ہمارے 'تعلیمی نصاب' کسی وقت ان کی جنگوں یا کم از کم ان کی پابندیوں sanctions کی بنیاد بن جائیں۔ علاوہ ازیں میڈیا خصوصاً ٹی وی کے نجی چینل اپنی تہذیبی جہتوں کے لحاظ سے قریب قریب آج یہاں یہودی ایجنڈے کا ہی دوسرا نام ہیں، جس پر ان کی محنت اس وقت دیدنی ہے۔ یہاں تک کہ یہاں کے زیادہ مقبول چینلوں پر 'اسلام' کے نام پر دی جانے والی تفہیم بڑی حد تک انہی کے مقاصد پورے کرتی ہے، خواہ وہ حقیقتِ دین کو مسخ کرنے اور اس امت کو اس کے علمی وفکری مسلمات سے محروم اور قرونِ سلف سے برگشتہ کرنے کے معاملہ میں ہو، خواہ بے دینی کو اسلام کے 'دلائل' سے لیس کرنے کے معاملے میں، خواہ مسلمانوں کے اندر ''امت'' کا تصور ختم کرنے کے موضوع پر، خواہ 'رواداری' کے باطل مفہومات پڑھانے، ولاء

وبراء کے عقیدہ کا خاتمہ کروانے بلکہ وحدتِ ادیان کی راہ ہموار کرنے کے معاملہ میں، اور خواہ ''جہاد'' کو 'اسلام سے انحراف' ثابت کرنے کے 'شرعی دلائل' دلوانے کے معاملہ میں.. اسلام کا یہ جدید 'ایڈیشن' عین وہ مقاصد پورے کرتا ہے جو مسلمانوں کو اپنی ایک اجتماعی قوت وجود میں لانے سے ہر قیمت پر روک دینے کا عمل یقینی بنائیں۔ سب جانتے ہیں مسلمانوں کی ایک اجتماعی قوت کے وجود میں آنے کا ہی دوسرا نام ''خلافت'' ہے۔

چند اچھی کوششوں کو چھوڑ کر، باقی سب کچھ جو 'میڈیا' کے نرسنگے میں اس وقت پھونکا جا رہا ہے وہ اسی ایجنڈے کا حصہ ہے جو ایک خاص شیطانی منصوبہ بندی اور کمال تیز رفتاری کے ساتھ یہاں آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ جتنا ان لوگوں کے پاس وقت کم ہے، اس کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عنقریب یہاں بڑے انقلابی revolutionary steps لئے جائیں گے۔ اب وہ وقت نہیں کہ مسلمانوں کے 'جذبات' کا خیال کرتے ہوئے اپنے کام کو یہ بلا ضرورت مؤخر کرتے جائیں اور عشروں کے حساب سے وقت مزید 'ضائع' کریں!

بہر حال میڈیا کے اندر اگر ہماری اسلامی قوتیں ایک بھرپور ایجنڈا لے کر آگے آتی ہیں تو یہ ایک زبردست اور بروقت کام ہوگا، خصوصاً جبکہ ان کو سننے کیلئے زمین آج جس قدر تیار ہے اتنی اس سے پہلے شاید کبھی نہ تھی۔ حقیقت تو یہ ہے دنیا آج امریکہ کو سننے کیلئے نہیں بیٹھی بلکہ اسلام کو سننے کی منتظر ہے۔

☆☆☆☆☆

بلاشبہہ ان کو احساس ہے کہ وہ بہت لیٹ ہو گئے ہیں اور گھڑیوں کو ۱۸۶۰ء تا ۱۸۹۰ء کی دہائیوں تک پیچھے نہیں لایا جا سکتا، جب مسلمان اس خوابِ غفلت سے ابھی اٹھ ہی نہ پائے تھے اور ہمارے پڑھے لکھے ہونے کی علامت صرف یہ مانی جاتی تھی کہ ہم ان کی انگلی پکڑ کر چلیں اور قدم قدم پر ان سے پوچھیں کہ آگے کدھر کو چلنا ہے، اور جب ابھی عالمی جنگوں کی وہ آندھیاں افق پر نہ دیکھی جانے لگی تھیں جنکے امڈ آنے کے باعث کچھ دیر کیلئے ان کو ہم سے انگلی

چھڑا کر اور (کسی حد تک) ہمیں اپنے حال پر چھوڑ کر اپنے گھر جانا پڑ گیا تھا، اور جس کے باعث ان کے کئی دور رس پروگرام بیچ میں رہ گئے تھے، اور پھر سرد جنگ نے ان کی گھڑیاں پون صدی مزید آگے کرادیں، جبکہ اسلام کی پو پھٹنے کا عمل اس دوران برابر جاری رہا...... اب سورج قریب قریب چڑھ آیا ہے اور 'ہوش' میں آنے کی ضرورت ہم سے زیادہ شاید ان کو ہونے لگی ہے!

کسی نے اگر ان قوموں کے مابین رہ کر دیکھا ہے تو وہ اندازہ کرسکتا ہے کہ انہیں اپنی قوموں کو جوش اور حمیت میں لانے کیلئے آج کتنے پاپڑ بیلنے پڑ رہے ہیں اور صلیبی جنگوں کے طبل بجانے کیلئے منافقت اور لفاظی کے ایسے ایسے اسلوب اور میڈیا کے ایسے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرنے پڑ رہے ہیں کہ صلیبی جنگوں کے یہ نقارے عالم اسلام کو بھی نہ سنیں مگر ان کی اپنی قوموں کو پوری طرح 'سمجھ' بھی آجائیں!

اس جلد بازی میں بلاشبہ وہ کچھ ایسی فاش غلطیاں کر بیٹھے ہیں جو ان کے کام کو اور بھی الجھا دیں اور جس چیز سے وہ ڈر رہے ہیں اسے اور بھی قریب کردیں..

بہتوں نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ افغانستان اور عراق کے اندر مہم جوئی نہ کریں کیونکہ جہاد اور اسلامی بیداری کی جس لہر کا خاتمہ کرنا اس عمل سے ان کا مقصود ہے وہ اس سے اور بھی توانا اور جوان ہوسکتی ہے اور یہ کہ اس سے مسلم امت کے وہ طبقے بھی جو اس جنگ میں نسبتاً غیر جانبدار ہیں جانبداری پر مجبور ہو جائیں گے بلکہ تو وہ طبقے جو ان مغربی طاقتوں کے مفادات کیلئے یہاں عالم اسلام کے اندر کام کررہے ہیں خود ان کا کام اس صورت میں حد درجہ مشکل ہو جائے گا۔ لیکن ان کا کہنا تھا کہ وہ اس خطرے کو پلتا ہوا آخر چھوڑ کیسے دیں۔ خصوصاً افغانستان میں اگر اہل اسلام کی قوت ہر طرف سے آ آ کر اکٹھی ہونے لگ جاتی ہے اور مختلف صلاحیتوں اور شعبوں کے مسلم ماہرین، جن کی دنیا بھر کے اندر اب کوئی کمی نہیں، اگر یہاں مسلمانوں کے کچھ بنیادی منصوبوں اور امت کے فنی وتربیتی طور پر کچھ بہت ہی اسٹریٹیجک انفراسٹرکچر پروگراموں پر کام شروع کردیتے ہیں، جبکہ اس کی نصرت کیلئے ساتھ میں برصغیر کے مسلمانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے اور اس کے پیچھے پورے عالم اسلام کا ایک لامتناہی سلسلہ، تو یہ کیسے برداشت کیا جاسکتا

ہے؟ اس کے برعکس، ان کا خیال تھا کہ افغانستان میں فتح کے جھنڈے گاڑتے ہی یہ پڑوس کے دیگر خطوں کی جانب متوجہ ہوں گے، خصوصاً اس 'خطے' کی جانب جس کے اندر، بقول نیوز ویک، 'جہاد' دراصل پل رہا ہے اور جہاں سے بیٹھ کر مجاہدین دراصل تقویت پا رہے ہیں!

وہ یہاں ہمیں تہس نہس کرنے آئے تھے اور اپنی نسلوں کیلئے یہاں پائے جانے والے صدیوں تک کے خطرات کا آخری حد تک قلع قمع کر دینے۔ اس بار کسی ترس کھانے کی ان کے پاس گنجائش تھی اور نہ کسی نرمی کی۔ اس مشن میں صرف افغانستان اور عراق نہیں ہم سب کی باری آنی تھی۔ مگر معاملہ اتنا سادہ نہیں نکلا جتنا کہ وہ سمجھ رہے تھے۔ اس مشن کا پہلا ہی مرحلہ سر نہ ہو سکا۔ B52 اور ڈیزی کٹر کا کام بہت جلد پورا ہو گیا مگر یہ 'فتح' ایک دلدل تھی جس میں وہ مسلسل دھنستے جا رہے ہیں۔ وہ سب خدشات جو اس مہم سے ان کو لاحق ہو سکتے تھے سچ ثابت ہو رہے ہیں البتہ وہ سب فوائد جو اس سے وہ حاصل کرنا چاہتے تھے عنقا ہیں۔ یہ ایک اتنا بڑا جوا ثابت ہوا جو ایک 'بوڑھے جواری' کے کھیلنے کا ہرگز نہ تھا! جوا قریب قریب ہارا جا چکا ہے اور بس اب چند چالیں باقی ہیں، جو اگر فریقِ مخالف کی جانب سے سمجھ لی جاتی ہیں تو یقینی ہے کہ ناکارہ چلی جائیں، جس کے بعد اس فریقِ مخالف کا حق بنتا ہے کہ اس کھیل کی اگلی بازی اب وہ اپنی شروط پر کھیلے اور ان کے ذریعے پہلے سے بڑھ کر اپنے زیرک ہونے کا ثبوت دے۔ یہاں ہوشمندی کی آخری حد درکار ہے اور جذبات کی دخل اندازی کیلئے ہرگز کوئی گنجائش نہیں۔

بہر حال 'امیریکن ایمپائر' کی اس غلطی نے کہ وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت یہاں اتر آئے اور بندوق کی نوک پر ہمیں اپنی مرضی کی جہت دیتے ہوئے عالم اسلام میں مغربی مفادات کا تحفظ یقینی بنائے بلکہ قوت کے استعمال کے ذریعے ہم سے اپنے اہداف سے چھڑوا کر وہ ہمیں اپنی مرضی کے اہداف دے کر جائے۔۔ 'امیریکن ایمپائر' کی اس غلطی نے حالات کو ناقابل اندازہ تیز کر دیا ہے اور عین اسی سمت میں معاملے کو کمال سرعت کے ساتھ بڑھا دیا ہے جو بصورتِ دیگر شاید ابھی کئی عشرے لیتی۔ ملتِ روم جس چیز کو دور سے دیکھ کر ڈرتی تھی اس کے امریکی 'چارہ گروں' نے اسے ان کے لئے بے حد قریب کر دیا ہے۔ مغرب چاہے تو اب اپنی گھڑیوں کی سوئیاں آدھ پون

صدی اور آگے کر لے!

☆☆☆☆☆

یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ 'لال مسجد' میں جو کچھ اسٹیج کیا گیا___ اور جس میں بلاشبہ خونِ مسلم کی ایک بڑی ہولی کھیلی گئی___ اور اس کے متصل بعد شمالی وقبائلی علاقہ جات میں حالات و واقعات کا جو ایک سلسلہ چل نکلا ہے، بیرونی حملہ آوروں کی طرف سے یہ 'لائف سپورٹ' لینے کی ایک کوشش ہے۔ یہ ایک ایسے مریض کو بچانے کی ہنگامی کوشش ہے جو آخری دموں پہ پہنچ چکا ہو، البتہ اگر اسے چند سانسیں ایک بار دلا دی جائیں تو امکان ہو کہ معاملہ شاید کچھ سنبھل جائے اور پھر کچھ نگہداشت کے نتیجے میں وہ پوری طرح پاؤں پر کھڑا ہو جائے.. جبکہ دنیا امید پر زندہ ہے!

اس سے پہلے عراق کے اندر اس بات کا تجربہ کیا جا چکا ہے کہ مجاہدین کے محاذ بڑھا دیئے جائیں تا کہ ان کے عمل کی وہ ترکیز جو وہ اپنی ہر چوٹ ایک ہی محاذ پر لگانے کی صورت میں برآمد کر رہے تھے، کم از کم اپنی شدت ضرور کھو دے.. جس سے فائدہ اٹھا کر بیرونی حملہ آور کم از کم ایک بار سنبھل جانے کا موقعہ پالیں اور اپنے کارڈ کچھ زیادہ بہتر انداز میں کھیلنے کی پوزیشن میں آئیں۔ رافضیوں کی بابت خواہ جو بھی کہہ لیا جائے، لیکن ان کے ساتھ اہلسنت کا محاذ کھل جانا، خواہ اس کے جو بھی اسباب ہوں، اہلسنت کے عمل کو کوتاہ کر دینے کا باعث بنا اور بیرونی قبضہ کاروں کو پیر جمانے کے کچھ نہ کچھ مواقع دے گیا۔

عراق کے اندر یہی ہو سکتا تھا کہ اہلسنت کو رافضیوں کے ساتھ قبل از وقت الجھا دیا جائے، امریکیوں کو وہاں پیر جمانے کا راستہ صرف یہیں سے مل سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عالم عرب کے کثیر علمائے اہلسنت، جنکی منہجِ اہلسنت کی ترویج وترجمانی ایک جانی مانی حقیقت ہے، عراق کے سنی طبقوں کو بے حد خبردار کر رہے ہیں کہ وہ عین اس موقعہ پر جب عراق میں امریکہ کے گھٹنے لگنا قریب ہو چکا ہے، رافضیوں کے ساتھ جنگ کے اس جال میں ہرگز نہ آئیں جو کہ اس وقت ان

کیلئے بڑے طریقے سے پھینکا جا رہا ہے اور جس کا فائدہ امریکیوں کے بعد سب سے زیادہ ایران کو ہے جو کہ اس عمل سے ایک طرف عراق کے رافضیوں کی وفاداریاں اپنے لئے زیادہ یقینی بنائے گا تو دوسری طرف امریکہ کے عراق سے نکلنے کی صورت میں عراق کے اندر کارروائی کرنے کیلئے ایک زبردست وجہِ جواز پائے گا کیونکہ اس بات کا تو کوئی امکان ہی نہیں کہ اہلسنت کی مدد کو کوئی عرب ملک عراق کے اندر آئے البتہ رافضہ کی مدد کیلئے ایران ضرور عراق کے اندر یا دنیا میں کہیں بھی یہ کام کرسکتا ہے۔

عراق کے اندر مسلمانوں کی ترکیزِ عمل ختم کرانے کی یہی صورت تھی جس پر بیرونی قوتوں کی جانب سے بھرپور کام ہو رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ افغانستان میں جہاں بیرونی قبضہ کار بیٹھے ہیں اور جن کی تمام تر توجہ اس وقت اس بات پر ہے کہ خود پاکستان کے اندر کارروائیوں کی کوئی صورت نکالی جائے.. اور جو کہ پچھلے چھ سال سے جاری جہادی عمل سے، جو کہ مغربی ذرائع ابلاغ کے خیال میں پاکستان میں سے غذا پا رہا ہے، بے انتہا زک اٹھا چکے ہیں.. ان کے پاس اس کی کیا صورت ہے کہ یہاں مجاہدین کو کئی محاذوں پر تقسیم کر دیا جائے؟

ہم سمجھتے ہیں لال مسجد کا خونیں واقعہ کر کے دراصل ایک ایسے ہی سلسلے کیلئے زمین ہموار کی گئی ہے۔ جہادی عمل کو یہاں بھی اس جال میں ہرگز نہیں آنا چاہیے کہ وہ اپنے محاذ بڑھ جانے کی اجازت دے۔ مجاہدین جس محاذ پر پچھلے چھ سال سے لگاتار چوٹ لگا رہے ہیں اس سے اگر ان کی توجہ پھر جاتی ہے تو یہ ایک کام کو بہت پیچھے لے جانے کے مترادف ہوگا بلکہ دشمن سنبھل کر اپنی اس پہلی پوزیشن پر واپس بھی جا سکتا ہے جو اسے ابتدا کے اندر حاصل تھی، جبکہ صورتحال یہ ہے کہ اگر مجاہدین ڈٹے رہتے ہیں تو ان کا دشمن اس محاذ سے بھاگ جانے کے بے حد قریب پہنچ چکا ہے۔

امریکیوں کے لئے اس سے مثالی صورت آخر کیا ہوسکتی ہے کہ مجاہدین کو مارنے کا 'فرض' امریکیوں کی بجائے پاکستانی فوج اور پیراملٹری فورسز ادا کریں اور امریکیوں کو اس منظر

سے محظوظ ہونے دیں۔ اور اس کے جواب میں مجاہدین کو بھی اگر قتال کرنا ہے تو اس کا رخ امریکی افواج کی بجائے پاکستانی افواج ہو جائیں۔ یوں دونوں جانب سے امریکیوں کی جان چھوٹی، پاکستانی فوج اگر مجاہدین کو مارتی ہے تو یہ تو امریکیوں کی نظر میں کیا ہی اچھا ہے اور اگر مجاہدین بھی پاکستانی فوج کو مارتے ہیں تو بھی یہ امریکیوں کی نظر میں اس سے تو کہیں اچھا ہے کہ مجاہدین کی وہی گولیاں امریکی فوج کو لگتیں! یعنی اگر مارنے اور مرنے والے ہر دو صورت میں امریکیوں کے علاوہ کوئی ہوں اور امریکی یہاں ہر دو جھنجٹ سے بچ جائیں، البتہ خطہ میں ان کی موجودگی پوری طرح برقرار رہے، تو اس سے بہتر ان کیلئے کیا صورتحال ہو سکتی ہے؟!

بلاشبہ پاکستانی حکمرانوں نے یہ صورتحال پیدا ہو جانے میں ایک بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ لیکن اسلامی مفاد کے تحفظ کی توقع ہمیں صرف مجاہدین سے ہی ہو سکتی ہے نہ کہ پاکستانی حکمرانوں سے۔ اس وقت جس درجہ کا صبر و برداشت اور ہوشمندی ضروری ہے بلاشبہ وہ ایک غیر معمولی حوصلہ چاہتا ہے مگر اس کے سوا اس وقت کوئی چارہ نہیں کہ ایسے کسی جال میں نہ آیا جائے جس کو پھینک کر یہ مجاہدین کے محاذ بڑھا دینا چاہتے ہیں۔ وہ خوشخبری جو عالم اسلام کو ان کے جہاد کے نتیجے میں انشاء اللہ عنقریب ملنے والی ہے اسی بات میں مضمر ہے کہ ان کی یہ محنت ترکیزِ عمل سے محروم نہ ہونے دی جائے۔

اسلام کے فدائیوں کیلئے صورت حال کو کتنا بھی طیش آور کیوں نہ بنا دیا جائے، امریکہ کو وہ چیز اس وقت کسی قیمت پر نہ دی جائے، جو وہ اس صورت حال کو پیدا کر کے حاصل کرنا چاہتا ہے، یعنی یہ کہ مجاہدین بعض مسلمان ملکوں کے اندرونی محاذوں پر الجھ پڑیں، جس سے اس پورے منظر نامے کو ہی امریکہ کے حق میں ایک پلٹا دلوا دیا جائے۔ یہ تجزیہ چاہے لاکھ درست ہو کہ آنے والے دن اسلام کے حق میں بے حد سازگار ہیں، غیر دانشمندانہ اقدامات کی قیمت ہمیں بہر حال ادا کرنا پڑے گی اور ان کے باعث ہمارا عمل مؤخر بھی بہر حال ہوگا، اور کیا بعید معطل بھی ہو رہے اور تب یہ ضروری ہو جائے کہ کئی عشروں کے عمل سے کچھ اور لوگ ہمارے مابین قیادت کا خلا پر

کرنے کیلئے آگے آئیں اور اپنی اس ناؤ کو پار لگانے میں تب وہ اس مطلوبہ فہم وفراست کا مظاہرہ کریں جس سے حالیہ قیادتیں قاصر رہیں.. امکان اس بات کا بھی بہرحال ہے۔

بے شک امریکی قبضہ کار افغانستان میں زچ ہو چکے ہیں، عین اسی طرح جس طرح یہ عراق کے اندر روہانسے ہو چکے ہیں۔ اس لحاظ سے لوگوں کا تجزیہ یہ ہے کہ شاید امریکہ اب خطے میں کوئی اور مہم جوئی کرنے کا متحمل نہیں رہ گیا ہے اور یہ کہ جس پروگرام پر امریکہ خطے میں آیا تھا یعنی یہ کہ افغانستان کو لے لینے کے بعد وہ پاکستان کے اندر 'اسلامی خطرہ' کے خاتمہ کے مشن پر روانہ ہوگا اور عراق پر قبضہ کے بعد وہ عرب ممالک کے اندر تیزی سے بڑھنے والے 'اسلامی خطرے' کو نابود کرنے کیلئے فوجی کارروائیاں کرے گا اور یہ کہ پاکستان تا عالم عرب اب وہ ہر جگہ اپنی مرضی کا سیاسی اور تہذیبی انتظام کروائے گا، جس میں یہاں کی حکومتوں اور قوم پرستوں سمیت ہر کسی کو اس کے ساتھ 'سیدھا' ہو کر چلنا پڑے گا، کیونکہ 'ناں' سننے کی اس کے پاس اس بار گنجائش ہی نہیں تھی بلکہ واضح کر دیا گیا تھا کہ 'ناں' کہنے والا سیدھا 'پتھر' کے دور میں پہنچایا جائے گا!.. اپنے اس مشن کے پہلے ہی مرحلے میں، یعنی افغانستان اور عراق کے اندر، ناکام ہو جانے کے بعد، امریکہ اگلے کسی مرحلے پر روانہ نہیں ہوگا۔

مگر ہم سمجھتے ہیں یہ تجزیہ کچھ بہت صحیح نہیں۔ بے شک اگلے مرحلوں پر وہ اس طرح روانہ نہیں ہوگا جس طرح ابتدائی طور پر اس کا پروگرام تھا مگر یہ بعید از قیاس ہے کہ اس 'اسلامی خطرے' کو کوئی بھی نقصان پہنچائے بغیر وہ واپس چلا جائے گا، خصوصا جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ امریکہ کی نظر میں اس کی اپنی جو صلاحیت مشکوک ہوئی ہے وہ صرف یہ کہ امریکہ کیلئے کسی ملک پر فوجی کنٹرول قائم رکھنا آسان نہیں (یا تو اس کے پاس 'برطانیہ عظمیٰ' جیسی صلاحیت نہیں کہ قوموں پر اپنا ایک طویل اقتدار قائم کر لے اور یا پھر، جو کہ صحیح تر ہے، قوموں پر کنٹرول رکھنے کا زمانہ لد گیا ہے!) البتہ یہ کہ امریکہ کسی کا کچھ بگاڑ لینے سے ہی قاصر ہو گیا ہے اور یہ کہ خطے کے اندر پائے جانے والے 'اسلامی خطرے' کا یہ کوئی بھی نقصان نہیں کر سکتا یا یہ کہ ممکنہ حد تک اپنے مقاصد کے

حصول کیلئے یہ اور بہت سی شیطانی چالیں نہیں چل سکتا، یہ بات بہر حال درست نہیں۔ پھر خاص طور پر جبکہ پچھلے کئی سالوں سے یہاں مار کھاتے ہوئے وہ یہ بھی نظر میں کر چکا ہے کہ اس جہادی عمل کو خوراک کہاں کہاں سے مل رہی ہے اور فکری و نظریاتی طور پر اس کے ڈانڈے کہاں کہاں ملتے ہیں اور کہاں کہاں سے مستقبل کے اندر بھی ایسے 'خطرات' ابل سکتے ہیں جن کی ابھی چند صورتوں سے ہی افغانستان و عراق کے اندر اسے سابقہ پڑا ہے اور جن کو ابھی اور چھوڑ دیا گیا تو نہ جانے خطرات کی اور کون کونسی قسمیں مستقبل قریب میں ان کا سامنا کریں (کیونکہ ہم نہیں تو وہ جانتے ہیں کہ اسلام اور 'ملتِ روم' کا یہ معاملہ کوئی سالوں اور عشروں کا نہیں بلکہ صدیوں پر محیط ہے لہٰذا اس کیلئے اتنا ہی لمبا چلنا ضروری ہے!)۔

پس امریکہ خطے سے واپس جاتا ہے یا مار کھانے کیلئے ابھی کچھ دیر اور یہاں رہتا ہے، یہ طے ہے کہ وہ ایک ڈس گھولنے والے سانپ کی طرح یہاں ہمارا ایک بھاری بھر کم نقصان کر دینے کی ہر ممکن کوشش کرے گا، جس کے اس کو مواقع نہ دینے کی ہر ممکن کوشش ہمیں بہر حال کرنی ہے۔

جو خدشہ اس وقت نظر آ رہا ہے وہ یہ کہ عالم اسلام کے دو ملکوں کی باری کسی نہ کسی انداز میں عنقریب آنے والی ہے: ایک پاکستان اور دوسرا شام۔ کیونکہ دونوں 'ان' کی نظر میں ''ارضِ رباط'' کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں افغانستان میں ان کے پیر جمانے کیلئے یہ بات لازمی ہو گئی ہے کہ پاکستان کے اندر جہاد کے خیر خواہوں کو اپنی ہی بپتا پڑ جائے، اس کے بعد افغانستان میں جہاد سے نمٹنا ان کیلئے کوئی مسئلہ ہی نہ رہے گا، جبکہ شام Syria جہاد کے دو اہم ترین محاذوں کی جانب قافلہ ہائے مجاہدین کی گزرگاہ بن چکا ہے، ایک عراق اور دوسرا فلسطین، جہاد کے یہ دونوں عرب محاذ ان کی رائے میں ارضِ شام سے تقویت پاتے ہیں۔ لہٰذا ان دو سرزمینوں کو اور ان کے جہاد دوست باشندوں کو ناکارہ کر کے رکھ دیا جانا، ان کے مالی سوتوں کو خشک کر کے رکھ دیا جانا، اور عین یہاں پر ہی جہاد کے پشت بانوں کو بری طرح الجھا کر رکھ دیا جانا ان کے خیال میں ناگزیر ہو گیا ہے۔

(جہاد کے 'مالی سوتوں' کے حوالے سے، خدشہ ہے کہ 'سعودیہ' کی بھی بہت جلد باری آجائے)

اس عمل سے وہ دو فائدے لیں گے:

ایک یہ کہ مجاہدین کے محاذ بڑھ جائیں اور وہ ترکیزِ عمل سے محروم ہو جائیں خصوصاً وہ ترکیزِ عمل جس کا اصل محل ہیں ہی امریکی افواج اور جس کی سب چوٹ پڑتی ہی ان کے اپنے سروں پر ہے، اور جہاں پر مجاہدین کی کامیابیوں کی ہر کوئی گواہی دے چکا ہے۔

دوسرا یہ کہ مجاہدین کی کمک کی راہیں تباہ اور کمک کے مصدر تتر بتر کر کے رکھ دیئے جائیں۔

ضروری نہیں یہ ایک باقاعدہ فوجی قبضہ ہو کیونکہ، جیسا ہم نے کہا، فوجی قبضہ کا تجربہ مزید شاید اب نہ کیا جائے، البتہ ایک شدید تباہی اور ایک بدترین انارکی لانے کی کئی اور صورتیں زبردست طور پر آزمائی جائیں گی۔

ان کارروائیوں کی جو بھی صورتیں ہوں، ان میں دو باتوں کو یقینی بنانے کی کوشش کی جائے گی:

ا) یہ کہ ان سب طبقوں کو شدید طور پر الجھا دیا جائے جو جہاد کی خیر خواہی اور نصرت کے 'جرم' میں کسی نہ کسی انداز میں یہاں شریک رہے ہیں اور جن سے کہ مستقبل میں اس سے بھی کسی بڑی سطح پر جہاد کی پشت بانی کا خدشہ ہو سکتا ہے۔ ان جہاد دوست طبقوں کو اس حد تک اپنی پڑ جائے کہ یہ 'پڑوس' میں ہونے والے جہاد کیلئے زیادہ سے زیادہ 'اچھے جذبات' ہی رکھ سکیں مگر عملاً اس کیلئے کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہ رہیں۔ یوں پہلے جہاد کو عملاً تنہا کر دیا جائے اور پھر اس سے تسلی کے ساتھ نمٹا جائے۔ یا پھر یوں کہیے مجاہدین اور مجاہدین کے نصرت کنندگان، دونوں کو الگ الگ کر کے اور مختلف محاذوں میں بانٹ کر مارا جائے۔

۲) یہ کہ ان 'نئے' محاذوں پر امریکی خود سامنے نہ آئیں بلکہ مکر و تدبیر سے کام لے کر اس کیلئے اور قوتوں کو آگے کریں۔ یہ مقامی قوتیں ہوں، آس پڑوس کی کچھ حکومتیں ہوں، سب ممکن ہے۔ پاکستانی فوج کو زیادہ سے زیادہ اس اندرون ملک مرنے مرانے کی راہ پر ڈالا جائے۔ عرب حکومتوں اور افواج کو عین یہی راہ دکھائی جائے۔ ساتھ میں، انڈیا کو پاکستان وافغانستان میں اور اسرائیل اور ایران کو عرب خطوں میں الگ سے کچھ اہداف مل سکتے ہیں۔ غرض ایک بار یہ انتظام کر لیا جائے کہ مرنے اور مارنے والے دونوں 'امریکی' نہ ہوں (مارنے والے امریکی ہوں بھی تو بہت پیچھے رہ کر!) تو پھر عالم اسلام کے ایسے کئی خطوں میں جنگ کی آگ بھڑکا دی جائے جہاں 'اسلامی خطرہ' مزید پختہ mature ہو رہا ہے۔ امریکہ کیلئے کوئی آبرومندانہ راستہ اس بند گلی کو پہنچ لینے کے بعد نکل سکتا ہے تو اس کی اب یہی صورت ہے۔ یعنی اس وقت جاری جہاد بھی بے دست و پا ہوا اور 'مستقبل کے چیلنج' کو بھی بڑا ہونے سے روک دیا گیا!

اس دوران وہ اپنی قوموں کو ذرا اور جگا لیں، جو ابھی تک 'جنگ مخالف ریلیوں' پر نکل کھڑی ہوتی ہیں اور 'حالات کی نزاکت' کو سمجھ ہی نہیں پا رہیں! علاوہ ازیں، امریکی انتظامیہ یہ ثابت کر لے کہ وہ کتنے بڑے خطرے کے پیش نظر یہاں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بعد، وقت آنے پر دیکھا جائے گا کہ مغرب مستقل بنیادوں پر یہاں کیا پالیسی اختیار کرے!

اس تناظر میں، آنے والے دنوں کے اندر جو 'بہت کچھ' ہونے والا ہے عالم اسلام کے جنوب مشرقی محاذ پر اس کا 'امیدوار' خطہ پاکستان ہے اور مغربی محاذ پر شام اور سعودیہ۔

البتہ صبر و حوصلہ اور سمجھداری سے کام لیا جائے تو اللہ کے فضل سے اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ وار خالی جائے۔ امید ہے 'امریکن ایمپائر' کے ترکش میں اب بہت تیر نہیں رہ گئے!

یہاں کی اسلامی قوتیں اس کے اس جال میں اگر نہیں آتیں اور اپنے کچھ مخلص جذباتی عناصر کو قابو میں رکھنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں تو بہت امید ہے دشمن کی یہ تدبیر سرے نہیں

چڑھے گی۔ اسلامی قوتوں کے ہاں اس بات کا ادراک اگر قوت پکڑ لیتا ہے کہ ان کو کسی قیمت پر اس وقت اپنے محاذ نہیں بڑھانے، تو بہت ممکن ہے 'را'، (سابقہ) 'خاد' اور 'موساد' وغیرہ بھی یہاں برہنہ ہوکر رہ جائیں اور موجودہ صورتحال سے فائدہ اٹھانے کے معاملہ میں ان کی اکثر چالیں ناکام جائیں۔ خدشہ یہ ہے کہ بغضِ اسلام سے بھری بعض عالمی ایجنسیاں مکر وحیلہ سے کام لے کر ہمارے کچھ سطحی وجذباتی طبقوں کے ہاں کچھ ایسی نرم وگداز زمین پانے میں کامیاب ہو جائیں کہ جہاں پیر رکھ کر یہ ہمارے مابین اپنے مفادات کی خاصی جگہ بنالیں بلکہ ایک بے یقینی کی کیفیت پیدا کر کے اور واقعات کا ایک ایسا 'تسلسل' پیدا کر کے جس میں پھر واپسی کی راہیں مشکل ہو جائیں اور اس کے ساتھ چلتے جانا پھر ہر کسی کی 'مجبوری' سی بن جائے، یہ ہمیں کوئی بھاری زک پہنچالیں۔

صبر، ہوشمندی اور اہل علم وبصیرت سے رجوع کے سوا ہرگز کوئی چارہ نہیں۔

صحیح تر حکمت عملی ناگزیر ہے

ہماری یہ چودہ سو سالہ کشمکش، جس پر نہ جانے ابھی اور کتنے دور گزرنے باقی ہیں، اور جو کہ اپنے حالیہ مرحلہ کے انتہائی فیصلہ کن موڑ پر بہر حال پہنچ چکی ہے، ہو سکتا ہے اب کسی بھی وقت ایک بے حد حیران کن صورت دھار لے۔ آئندہ سالوں میں یہاں کچھ ایسے حالات کا ہمیں آناً فاناً سامنا ہو سکتا ہے جن کے لئے ہم ذہنی طور پر تیار تک نہ ہو پائے ہوں۔

یہاں ہر دو فریق کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اور عقل و خرد کے سب قویٰ استعمال کرتے ہوئے، صورتحال کو اپنے حق میں پلٹنا ہے۔ پس آنے والے دنوں میں ہم کچھ حیران کن تبدیلیوں سے دوچار ہو سکتے ہیں، اچھے معنوں میں بھی اور برے معنوں میں بھی۔

مختصراً، مغرب کی آہنی گرفت سے نکلنے کیلئے زور مارتا عالم اسلام یا تو اب کسی وقت اپنا

آپ چھڑا لینے میں کامیاب ہو جائے گا، جس کے نتیجے میں دنیا کے حالیہ توازن (درحقیقت عدم توازن) میں ایک بھونچال سا آتا محسوس کیا جائے گا اور دنیا کا وہ دھارا جو کوئی تین سو سال سے ایک خاص رخ پر بہتا آیا ہے، ایک بار تھم کر سمت کی تبدیلی کے عمل سے گزرنے پر مجبور ہوگا.. اور یا پھر ایک نئی اڑان کیلئے پر تولتے عالم اسلام کے پر کاٹ دینے میں مغرب کچھ دیر کیلئے پھر ایک بار کامیاب ہو جائے گا، اور معاملہ جس قدر بڑھ چکا ہے اس کے پیش نظر یہ بھی کسی بھونچال سے کم نہ ہوگا۔

گویا ہر دو صورت ایک بھونچال ناگزیر ہے!

البتہ اول الذکر بھونچال کا امکان اس وقت قوی تر ہے۔ گو اس کے جھٹکے ثانی الذکر سے شدید تر ہوں گے!

مستقبل کے معاملے میں خوش امیدی خوب ہے اور ہم بھی اس پہلو تہہ نہیں لیکن دشمن کی الجھن اور جھنجھناہٹ کو دیکھتے ہوئے امکان ہے کہ آنے والے دنوں میں مسلم خطوں کے اندر بہت کچھ زیروزبر ہوتا دیکھا جائے۔

ملتِ روم کے پاس چناؤ کے قصیر میعادی راستے short termoptions بہت ہیں مگر طویل میعادی راستے long term options نہ ہونے کے برابر۔ اس کے برعکس، ملتِ اسلام کے پاس چناؤ کے قصیر میعادی راستے short term options بہت محدود ہیں جبکہ چناؤ کے طویل میعادی راستے long term options بے حد زیادہ۔ جب ایسا ہے تو ایک فریق کو ابھی، یعنی آئندہ کے چند سالوں اور چند عشروں کے دوران ہی، بہت کچھ کر گزرنا

---

(۱۶) ''اہداف'' کے موضوع پر ہم اپنے سلسلۂ مضامین ''توحید.. تحریک تا معاشرہ'' کے تیسرے حصہ میں کچھ گفتگو کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ کا پہلا حصہ مکمل ہو چکا ہے جو کہ ''موحد تحریک'' کے عنوان سے کتابی صورت میں دستیاب ہے، جبکہ دوسرا حصہ اس وقت ''ایقاظ'' کے اندر ''موحد معاشرہ نہ کہ تیسری دنیا'' کے عنوان سے قسط وار دیا جا رہا ہے۔ مکمل ہونے پر یہ بھی کتابی صورت میں دستیاب ہوگا۔

ہے البتہ دوسرے فریق کو زیادہ سے زیادہ وقت لینا، اپنے دشمن کو بھاری مگر مسلسل زک پہنچانا اور اپنے طویل میعادی اہداف long term goals پر نگاہ مرکوز رکھنا ہے[16]۔

اسلامی قوتوں کی بہترین پالیسی اس وقت یہ ہو سکتی ہے کہ ملتِ روم اب آنے والے دنوں میں، بڑی تیزی کے ساتھ اور ایک بڑی ہی ہنگامی کیفیت پیدا کر کے، جو ایک کے بعد ایک چال چلے گی، یہ پامردی اور زیرک پن سے کام لیتے ہوئے ایسی ہر چال کو ناکام اور ہر وار کو خالی جانے دیں البتہ امتِ اسلام کے غصب شدہ خطوں میں براجمان دشمن کے زخموں کو، اور سے اور رِستا رہنے کیلئے، زیادہ سے زیادہ پھیولیں اور دشمن ہزار جتن کر لے یہ اس کو وہاں سے ہرگز نہ چھوڑیں جہاں وہ تکلیف سے بے حال ہو کر اپنا آپ چھڑانے کیلئے اِن کو کچھ 'متبادل' اہداف کی راہ دکھائے، خواہ وہ 'متبادل اہداف' بظاہر کتنے ہی ضروری اور 'منطقی' کیوں نہ نظر آئیں اور خواہ ایسا کیوں نہ نظر آئے کہ یہ 'اُن' کے دیئے ہوئے اہداف نہیں بلکہ کسی 'اور' کی خباثت کے زیرِ اثر سامنے آ گئے ہیں۔ یہ یقین رکھیں کہ ایک بار دشمن نے اپنا آپ وہاں سے چھڑا لیا جہاں وہ درد سے بلبلا رہا ہے، اور جس کی کہ پوری دنیا گواہ ہے، تو پھر ان جہادی قوتوں کو اپنا کام بہت پیچھے سے اور شاید از سرِ نو کرنا پڑے گا۔ ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوة أنكاثا[17]..

شارٹ ٹرم اور لانگ ٹرم چناؤں short term and long term options کے حوالے سے ہمارا اور ان کا یہ موازنہ اگر درست ہے تو ہر دو فریق کی کامیابی کو جانچنے کا معیار بھی پھر جدا جدا ہوگا: ہم اگر ان کے وقتی حربوں کو ناکام جانے دیتے ہیں تو یہ ہماری جیت ہے اور وہ اگر ہمیں اپنے دور رس پروگراموں سے پھیر دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ ان کی جیت ہے۔ ہم اگر ان کے دیئے ہوئے ہنگامی اور جذبات انگیز اہداف میں الجھ جاتے ہیں، خصوصاً یہ کہ

---

(١٧) النحل: ''اور مت ہو مانند اس عورت کی کہ توڑ ڈالا کاتے اپنے کو، پیچھے قوت کے، ریزہ ریزہ''
(ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی)

اس وقت اپنے کام اور اپنے محاذ بڑھا لیتے ہیں، تو یہ ہماری ناکامی ہوگی اور وہ اگر ہمیں ہمارے دور رس اہداف سے نہ پھیر سکیں اور ہم سے اپنا طویل راستہ نہ چھڑا سکیں، خصوصاً اگر وہ ہماری ترکیزِ عمل کو متاثر نہ کر سکیں، تو یہ ہماری جیت ہے۔ ہر دو فریق کا جب اپنا اپنا ایک میدان ہے تو پھر ہر دو کی پیش قدمی اور پسپائی کی جانچ اس کے اپنے ہی میدان کے حساب سے ہوگی۔ جو بات ایک کیلئے درست ہے ممکن ہے وہ دوسرے کیلئے غلط کا درجہ رکھے۔

☆☆☆☆☆

ایک بات بہر حال طے ہے کہ مغربی طاقتیں، اپنے وجود کے ان حصوں کو چھڑانے کیلئے جو عراق اور افغانستان میں مجاہدین کے قابو میں آ چکے ہیں اور وہاں پر مجاہدین کی مسلسل پڑنے والی چوٹ کے باعث یہ بری طرح کراہ رہی ہیں.. مغربی طاقتیں اپنے وجود کے ان حصوں کو چھڑانے کیلئے جو بھی چال چلیں گی، اور اس وقت جہادی عمل کو 'متبادل راہ' دکھانے کی جو بھی صورتیں پیدا کریں گی.. وہ بھی بالآخران کے لئے وبالِ جان بنیں گی اور عالمِ اسلام کے اندر ان کے اقتدار کا موت پانا اگر ٹھہر گیا ہے، اور جو کہ نظر آ رہا ہے، تو پھر اس موت کو ٹال دینا اب ان کے بس میں نہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو یہ کر سکیں گی وہ یہ کہ عالم اسلام کو اپنے اہداف کا حصول کچھ زیادہ مہنگا پڑ جائے۔ یعنی یہ ہمیں اپنا ہدف اتنی آسانی سے نہ لینے دیں جتنی آسانی سے ملتا اس وقت نظر آ رہا ہے۔ مغرب کے بس میں زیادہ سے زیادہ اب کچھ ہے تو وہ بس اتنا ہے۔

یعنی ایک بات طے ہے اور وہ ہے اس صورتِ حال کا ایک پکے ہوئے پھل کی طرح دکھائی دینا کہ عالم اسلام سے مغرب اب بے دخل ہو جائے اور اس بیرونی 'نگرانی' کے ختم ہو جانے کے باعث عالم اسلام کا صالح عنصر اوپر آنے کا آزادانہ موقعہ پائے۔ عالم اسلام اپنا یہ ہدف حاصل کرنے پر ہی بضد ہے، اور جو کہ نظر آ رہا ہے، تو مغرب یہ چاہے گا کہ ہم زیادہ سے زیادہ قیمت دے کر اور اپنا زیادہ سے زیادہ نقصان کرا کے اس ہدف کو حاصل کریں بلکہ یہ قیمت اتنی بڑھ جائے کہ وہ ہماری پہنچ سے باہر ہو جائے۔ البتہ اسلامی قوتوں کو جو کمال دکھانا ہے وہ یہ کہ

امت کے لیئے اس ہدف کا حصول کم سے کم لاگت اور کم سے کم نقصان کے ساتھ یقینی بنائیں۔ پس مسئلہ اس وقت صرف 'نقصان' اور 'لاگت' کا ہے۔ طرفین کا اصل زور سمجھئے اسی پر لگنا ہے اور ایک 'چیز' کے ملنے یا نہ ملنے کا انحصار بس اسی بات پر رہ گیا ہے۔

چنانچہ امریکہ مجاہدین کو پاکستان، سعودی عرب اور عالم اسلام کے کچھ دیگر ممالک کے داخلی محاذوں پر الجھا دینے میں اگر کامیاب ہو جاتا ہے، تو اس سے وہ دہرا تہرا فائدہ لینے کی کوشش کرے گا:

ایک یہ کہ جہادی عمل کے خاتمہ کی 'ذمہ داری' یہاں کی حکومتیں تب زیادہ اخلاص اور تن دہی کے ساتھ ادا کریں۔ کیونکہ اس صورت میں مقامی حکومتیں امریکہ کے بچاؤ یا اپنے کچھ 'مفادات' کیلئے نہیں بلکہ 'اپنی' زندگی اور بقا کی جنگ لڑیں گی جو کہ کوئی بھی انسان کہیں زیادہ مخلص ہو کر اور رفتہ وار لڑتا ہے، جبکہ امریکہ کو اس وقت 'جہادیوں' کے خلاف ان سے اسی درجہ کا اخلاص درکار ہے۔

دوسرا یہ کہ یہاں کی اقوام جو کہ مجاہدین کے افغانستان و عراق میں جہاد پر پوری طرح یک آواز ہیں اور اسی باعث امریکہ کو نکالنے کا یک نکاتی ایجنڈا یہاں کی اقوام میں شدید حد تک پزیرائی پا چکا ہے، اور جو کہ مجاہدین کے اپنے ایجنڈے کی تکمیل کیلئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ کا درجہ رکھتا ہے.. مجاہدین کیلئے ان اقوام کی یہ غیر معمولی حمایت، جو صدیوں بعد انہیں اس سطح پر حاصل ہونے لگی ہے، اپنا وہ زور کھو دے جو کہ اسے ابھی حاصل ہے۔ بلکہ ہو سکے تو ان ملکوں میں ایک اندرونی جنگ چھیڑ کر اس کو ایک ایسے داخلی بحران کی صورت دھار لینے کی جانب بڑھایا جائے کہ امریکہ کو 'نکالنے' کی بجائے لوگوں کا ایک بڑا طبقہ اپنے اس داخلی بحران سے 'نکلنے' کیلئے امریکہ سے 'مدد لینے' کی ضرورت محسوس کرے۔

تیسرا یہ کہ امریکہ کے سر پر پڑنے والی چوٹ اپنا وہ زور کھو دے جو افغانستان و عراق کے اندر اس کا بیٹھنا اس وقت دوبھر کئے ہوئے ہے اور اپنے اس 'دردسر' کے باعث وہ خطے میں

کوئی کھیل شروع کرنے سے عاجز پڑ رہا ہے۔

اور چوتھا یہ کہ یہاں جہاد کے حامی و مددگار طبقوں پر ایک ایسا آہنی ہاتھ ڈلوا دیا جائے جو کہ بوجوہ ابھی تک نہیں ڈالا جاسکا۔ علاوہ ازیں، 'جہادیوں' کے سوتے بند کرنے کی آڑ میں امت کے ان تمام بنیادی وطویل میعادی منصوبوں gross route & long term projects کا صفایا کر کے رکھ دیا جائے جو کہ دعوتی، تربیتی اور فکری ضرورتوں کے حوالے سے، خصوصاً آئندہ کے کچھ اہم ترین مرحلوں کیلئے، امت کے انفراسٹرکچر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

البتہ ہمارا کہنا صرف اتنا ہے کہ اسلامی قوتوں کی اپنی جانب سے ایسا کوئی موقعہ بہر حال نہ دیا جائے اور امریکہ کو جو وہ چاہتا ہے سادہ لوحی میں آ کر 'سونے کی پلیٹ' میں رکھ کر پیش ہرگز نہ کر دیا جائے.. عراق وافغانستان وغیرہ میں اس وقت تک کامیاب جانے والے جہادی عمل کو عالم اسلام کے داخلی محاذوں پر الجھانے کی امریکہ جو بھی کوشش کرتا ہے اسلامی قوتوں کی جانب سے امریکہ کو اس پہلو پر شدید مایوسی ملے اور ہمارے نوجوان اپنی سمجھدار، دوراندیش قیادتوں سے راہنمائی لینے اور خود اپنے طور پر کوئی اقدام نہ کرنے کا شدید حد تک التزام کریں، جبکہ خود یہ قیادتیں ہر ہر قدم پھونک کر اٹھائیں اور کوئی فیصلہ خوب ٹھونک بجا لینے اور آخری حد تک غور وفکر اور صلاح مشورہ کر لینے کے بغیر نہ کریں۔ بلکہ ہو سکے تو عالمی سطح کے بعض تحریکی دماغوں اور امت کی سطح کی اہل حل وعقد شخصیات سے راہنمائی لئے بغیر نہ کریں۔ علاوہ ازیں، میڈیا وار میں 'بعد از وقوعہ سرگرمی' re-active role چھوڑ کر پیشگی سرگرمی pro-active role کی روش اختیار کریں اور پل پل پر معاملے کی اصل تصویر یہاں کی اقوام پر واضح کریں کیونکہ اس کی ضرورت آنے والے دنوں میں بے حد بڑھ جانے والی ہے اور گمراہ کن خبر رسانی disinformation ایک بہت بڑے ہتھیار کے طور پر برتی جانے والی ہے، بلکہ برتی جارہی ہے، صرف ہم ہیں جو 'تصویر' نہیں بناتے بلکہ ان کی بنائی ہوئی تصویر کی 'وضاحتیں' اور 'تراش خراش' کر لینے کو ہی میڈیا میں اپنے کردار کی آخری حد سمجھتے ہیں۔

اسلامی قوتوں کی جانب سے اگر اس امر کی پابندی ہونے لگتی ہے تو پھر پروانہیں، امریکی اپنے سب شوق یہاں پورے کرلیں۔ قربانیاں ہم بھی دیں گے اور خون ان کا بھی بہے گا۔ پچھلے تین عشروں سے ہم مسلسل دیکھتے آرہے ہیں کہ امریکہ کی ہر نئی تدبیر میں اللہ تعالیٰ اس کی بربادی کا سامان پیدا کردیتا ہے اور اس کی ہر نئی چال بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس کے اپنے ہی خلاف پڑ جاتی ہے۔ ایک دیکھنے والا شخص محسوس کئے بنا نہیں رہتا کہ ٹینک، طیارے، میزائل اور بحری بیڑے رکھنے والی اس قوت کی جنگ عالم اسلام کے کچھ مٹھی بھر جوانوں کے ساتھ نہیں بلکہ اس قوت کے ساتھ ہے جو زمین و آسمان کی مالک، ہر چیز پر قادر ہے اور جو کہ اس طاغوت کے ہر مکر کو اس کے اپنے ہی اوپر الٹا دیتی ہے۔ اب بھی امریکہ جو کرے گا اس کے مدمقابل ہمارا وکیل و کارساز اللہ ہے، جو ہم پر نہایت مہربان ہے اور ہماری استطاعت و تدبیر سے بڑھ کر ہمیں کسی چیز کا مکلّف نہیں کرتا، بلکہ وہ بوجھ جس کے اٹھانے سے ہم عاجز ہوتے ہیں اور وہ تدبیر جو ہمارے بس سے باہر ہوتی ہے اس کے معاملے میں وہ خود کوئی راہ نکال دیتا ہے اور بسا اوقات تو ہمارا وہ بوجھ جو ہمیں عاجز کردینے والا ہو ہمارے دشمن کی پیٹھ پر لاد دیتا ہے اور ہمارے لئے تدبیر ان کی غلطیوں کے اندر سے ہی برآمد کرادیتا ہے۔

چنانچہ یہ سب کچھ جو یہاں کہا جارہا ہے، تدبیر و منصوبہ بندی کے باب سے ہے، جس کو درست کرنے کے اپنی حد تک ہم بہرحال مکلف ہیں۔ رہ گئی یہ حقیقت کہ اس وقت امریکہ کا ہر آپشن ایک برا آپشن ہے اور اس کا ہر راستہ ایک بند گلی پر پہنچنے والا ہے، تو یہ بات اپنی جگہ ایک سچ ہے، گویہ اس بات سے متعارض نہیں کہ ہم ایک درست تر حکمتِ عملی اپنائیں اور ممکنہ حد تک ایک 'کم خرچ' اور 'دور مار' اقدام کی راہ اختیار کریں۔

☆☆☆☆☆

بہترین کی امید رکھیں مگر بدترین کیلئے تیار رہیں، کسی دانا کا یہ قول اگر درست ہے تو ہمیں مستقبل قریب کی بابت اچھی امیدوں کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی صورت حال کیلئے تیار رہنا

پڑے گا.. یہ ہرگز کوئی مبالغہ نہیں، آنے والے دنوں میں ناگہانی طور پر بہت کچھ پیش آ سکتا ہے اس لئے ہر قسم کی صورتحال میں مطلوب حکمت عملی بھی ہم پر واضح ہونی چاہیے اور اس سے متعلقہ شرعی ضوابط بھی۔

☆☆☆☆☆

شرعی ضوابط کا التزام ناگزیر تر ہے

جہاد ایک اجتماعی عمل ہے نہ کہ انفرادی فریضہ۔ یہ 'فرد' پر واجب ضرور ہے مگر ایک 'اجتماعی صورت' میں ہی۔ **الامام جنة يقاتل من ورائه** [۱۸]. اصل یہی ہے کہ امت ایک 'امام' (مستحکم قیادت consolidated power) رکھے جو 'شوریٰ' کے سب شرعی تقاضے پورا کرتے ہوئے امت کے حق میں کسی بھی موقعہ پر ایک بہترین اقدام کرے۔ کسی محاذ کا کھولنا یا نہ کھولنا اسی کے فیصلے سے طے ہو اور کوئی بھی اقدام جو پوری امت کو یا امت کے ایک پورے خطے کو متاثر کر دینے کے مضمرات کا حامل ہو، کسی ایک فرد یا ٹولے کی صوابدید نہ ہو۔

البتہ 'امام' (خلیفہ) کسی وقت موجود نہ ہو، مگر خطوں کے امراء پائے جاتے ہوں تو

(۱۸) ''امام ڈھال ہے، جس کے پیچھے رہ کر ہی قتال کیا جاتا ہے، حدیث بروایت ابوہریرہ، صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسير، باب يقاتل من وراء الامام ويتقىٰ به، صحیح مسلم: كتاب الامارة، باب الامام جنة يقاتل من ورائه ويتقىٰ به

امت کے معتمد اہل علم کا یہ تعامل رہا ہے کہ ایسے اجتماعی فیصلوں کا اختیار وہ 'خطوں کے امراء' کو دیتے رہے ہیں اور عوام المسلمین کو انہی کا پابند رکھتے رہے ہیں۔ کیونکہ امت پر ایسے دور بہر حال آتے رہے ہیں جب امام (خلیفہ) موجود نہ ہو یا پھر خلیفہ اپنے اثر ونفوذ اور تاثیر فیصلہ کے معاملہ میں برائے نام حیثیت رکھتا ہو، جبکہ تحفظِ اراضی کے معاملہ میں امت کے مصالح، خلیفہ کے وجود میں آنے یا قوت پانے تک، معطل نہ رکھے جا سکتے تھے (وہ لوگ البتہ قابل ترس ہیں جو مسلمانوں کے گھروں کے تحفظ کیلئے ''خلیفہ'' کے پائے جانے کی 'شرط' لگاتے ہیں!)

آج جب نہ تو یہاں خلافت ہے اور نہ 'خطوں کے امراء' جو کوئی شرعی اعتبار رکھتے ہوں، جبکہ مصالحِ امت کی تعطیل آج بھی ممکن نہیں، ایسے اجتماعی نوعیت کے فیصلے کرنے کا اختیار کسی کے پاس رہ گیا ہے تو وہ امت کی ''علمی قیادت'' ہے[۱۹].. اور ان فیصلوں اور فتووں کی بنیاد پر، کہیں پر قتال کی عملی صورت درست ہے تو وہ وقت کی منظم اہلسنت قوتیں ہیں جن کو عمومی طور پر علمائے اہلسنت کا اعتبار حاصل ہو۔

پس امت کے اعلیٰ سطح کے علماء اور اہل الرائے ہی، ایک بڑی تعداد میں، جب کسی خطے کے اندر مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانے کی ہدایت کریں اور اس پر باقاعدہ ''فتاویٰ'' جاری کریں، جس پر کبھی ممکن نہیں کہ امت کے دیندار طبقے یک آواز نہ ہو جائیں، تب اور صرف تب یہ جائز ہوگا کہ وہاں قتل وقتال اور 'خون' بہنے کا عمل شروع ہو۔ بصورتِ دیگر ایک 'خون' کا ناحق بہہ جانا بھی گناہِ عظیم ہے، چاہے 'آدمی' کتنا ہی یہ سمجھے کہ کسی جگہ جہاد 'واجب' ہو چکا ہے۔

ہر شخص پر واضح ہو کہ اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر ایک 'خون' کی بابت جواب دینا بھی

---

(۱۹) اس مسئلہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے سہ ماہی ایقاظ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء میں مضمون ''مسلم حکمرانوں کی غیر موجودگی میں مسلح قتال کیلئے شرعی ضوابط''۔ یہ مضمون عنقریب کتابی صورت میں ہماری تالیف ''گاندھی کا مذہب.. چہ نسبت بہ ہدیٰ محمدؐ'' کے اندر دستیاب ہوگا۔

کسی کیلئے آسان نہ ہوگا، کجا یہ کہ کسی کے غیر ذمہ دارانہ اقدام سے امت کے ہزاروں مخلص نفوس جنگ میں جھونک دیئے جائیں، ہزاروں کے حساب سے خون بہیں، لاکھوں بے گھر، بچے یتیم اور عورتیں بیوہ و بے آسرا ہوں اور نسلوں کی نسلیں ہجرت کی سختیاں جھیلیں اور صلیبی 'این جی اوز' کی دست نگر، 'خیمہ بستیوں' میں پل کر جوان ہوں۔

''اسلام کی عظمت'' بلاشبہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے آگے یہ سب ہیچ ہے، 'خون' بھی اسی کے لئے ہیں، ہمارے بچے بھی اسلام کے ہیں، عورتیں بھی اسی کی امانت، گھر بھی اس پر قربان، قومیں اور ملک بھی، اور خود ہمارے اپنے نفوس بھی، اور جس وقت یہ سب کچھ دے ڈالنا ناگزیر ہو تو 'لبیک' کے سوا کوئی بھی وتیرہ کسی مسلمان فرد یا قوم کو سزاوار نہیں۔ مگر 'اسلام کی جانب سے' on behalf of Islam کون لوگوں سے اس متاعِ گراں مایہ کا تقاضا اور اس کے مصرف کا تعین کرے اور خدا کے سامنے جا کر اس کے لئے جوابدہ ہو؟ سوال اصل میں یہ ہے۔ اسلام کے اندر یہ ایک باقاعدہ منصب ہے اور درجہ بدرجہ اوپر سے نیچے تک آتا اور ایک منصبدار کے بعد یا اس کی غیر موجودگی میں دوسرے کی جانب منتقل ہوتا ہے۔

کسی 'غیر عالم' کا حدیث یا فقہ کی کوئی کتاب کھول کر یا کوئی ایک آدھ 'کتابچہ' پڑھ کر اور اس کی دلیلوں سے متاثر ہو کر کہیں پر 'مشروعیتِ جہاد' کا فتویٰ دے ڈالنا ہرگز ہمارے دین میں کوئی گنجائش نہیں رکھتا۔ 'غیر عالم' کا کام محض اتباع ہے نہ کہ افتاء اور ارشاد۔

حتیٰ کہ آدمی اگر عالم بھی ہو، ایسا فیصلہ جو نسلوں کو متاثر کرنے والا ہو اور ہزاروں ارواح اور نفوس اس کی زد میں آ سکتے ہوں، اور بلاشبہ کہیں پر جہاد شروع کرا دینا ایک ایسا ہی دوررس اور اجتماعی فیصلہ ہے، تو اس امر کیلئے کسی ایک آدھ عالم کا فتویٰ پھر بھی کافی نہیں۔ اس کیلئے علماء کا ایک جمِ غفیر چاہیے، جن کے فتویٰ پر امت کے اہل دین طبقے یک آواز ہو سکتے ہوں اور وہ اپنی تاثیر میں اس بات کی ضمانت ہو کہ کسی محاذ کی بابت امت اپنی رائے میں منقسم و متنازع نہ ہو۔ کیونکہ ایک ایسا محاذ جو امت کے اہل دین طبقوں میں نزاعی بن گیا ہو، وہ دشمن کو ایک کاری

وار کر دینے کا ایک زبردست موقعہ فراہم کرتا ہے، بلکہ بعید نہیں دشمن اس خطرناک رخنہ کو استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کی صف پھاڑ کر رکھ دے اور ان کو ایک شدید حالتِ انتشار کے اندر جھونک دے، جس کے نتیجے میں امت کا ایک بھاری نقصان ہونا اسٹریٹیجی کے حساب سے یقینی ہے، علاوہ ان نقصانات کے جن کا اوپر ذکر ہوا، یعنی جانوں کا ضیاع، وسائل کا اجاڑا، گھروں کی تباہی اور نسلوں کی ویرانگی۔

☆☆☆☆☆

کوئی شک شبہ نہیں کہ یہاں حاکمیتِ غیر اللہ کا نظام قائم ہے، جس کا برقرار رہنا یہاں کی اقوام کے حق میں ایک گناہ اور ایک ظلم ہے، اور جس پر راضی ہو جانا ایمان ہی کے منافی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اندریں حالات یہ ''دعوت'' کا موضوع ہے، اور ابھی بڑی دیر تک اس کو معاشرے پر واضح ہی کیا جانا ہے......

صدیوں سے یہاں برصغیر میں فکر ارجاء [۲۰] ایک مقبول مسلک رہا ہے۔ پھر ''حاکمیت'' تو یہاں کے فکری حلقوں کیلئے بالکل ہی ایک نیا مسئلہ ہے، جس کو بنیاد بنا کر یہاں ایک جاندار تحریکی عمل کو اٹھانے کیلئے وقت صرف ہونا ابھی پوری طرح باقی ہے۔ توحیدِ حاکمیت کے شرح

---

(۲۰) ''ارجاء'' سے مراد ہے ''عمل'' کو ''ایمان'' کی حقیقت سے خارج اور ''اضافی چیز'' ماننا، یعنی ''ایمان'' کیلئے محض 'زبان کے اقرار' کو کافی جاننا۔ نتیجتاً، اگر کوئی شخص 'کلمہ گو' ہے مگر غیر اللہ کی شریعت وقانون کو ملک کے طول وعرض میں چلاتا اور جاری وساری کر کے رکھتا ہے، یا شرک اور کفر کے کچھ اور ''اعمال'' کرتا ہے، تو فکر ارجاء کی رو سے وہ بدستور ''مومن'' ہے۔ اس فکر کے حاملین کو اصطلاح میں ''مرجئہ'' کہتے ہیں۔ ارجاء اور مرجئہ کا عقیدہ اہلسنت کے عقیدہ سے صاف متعارض ہے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل، ابن تیمیہ اور دیگر معروف ائمہ سنت کے بیان کردہ ''اصول ایمان'' سے واضح ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو کا گو یہ محل نہیں۔

(۲۱) ملاحظہ ہو کتاب ''دعوت کا منہج کیا ہو'' (مؤلفہ محمد قطب) کی فصل ''تحریکوں میں عجلت پسندی کے آجانے کے اسباب اور عواقب''

و بیان پر یہاں بہت کم لوگوں کی محنت ہوئی ہے اور اس موضوع پر لوگوں کی الجھنیں بے حد زیادہ ہیں۔ پھر، اس کی بابت منفی ذہن پیدا کرنے والے یہاں بے شمار طبقے ہیں، جو کہ اپنی اپنی وجوہات رکھتے ہیں۔ ان الجھنوں کے بڑھا دینے میں البتہ جو ایک اضافی عامل اس وقت کارفرما ہے وہ ہے کچھ نوجوانوں کا فکرِ اہلسنت اور مسئلۂ حاکمیت کو، ناکافی فہم کے ساتھ بیان کرنا، بلکہ اہل علم کی راہنمائی کے بغیر اس کی باقاعدہ 'تطبیقات' کرنے لگنا، بلکہ اس کی بنیاد پر فی الفور 'قتال' کی صدائے عام بلند کر دینا[۲۱]...

اس رجحان کے پھیلنے سے ''مسئلۂ حاکمیت'' کا اس کے اپنے ہی خیر خواہوں کے ہاتھوں جو نقصان ہوگا وہ یہ کہ لوگ اس مسئلہ کو 'جذباتی نوجوانوں کا عام کردہ ایک مسئلہ' کے طور پر دیکھیں اور اس کا علمی وزن کرنے کی یہاں نوبت ہی نہ آنے دی جائے۔ خصوصاً جبکہ ''مسئلۂ حقیقتِ ایمان'' اور ''مسئلۂ حاکمیت'' یہاں کی ارجائی دنیا میں تا حال شدت سے ضرورتمند ہے کہ اس کا ایک کافی شافی بیان ہو اور اس پر پائے جانے والے شبہات کا ایک بھرپور ازالہ ہو۔ ہم جانتے ہیں یہاں کے علمی وفکری حلقوں کے اندر اس مسئلہ کو پزیرائی دلائی جانا ابھی باقی ہے۔ اس ساری محنت کے بغیر ہی اب اگر موضوع بحث 'مسئلۂ حاکمیت' سے سرک کر 'حاکمیت کی بنیاد پر قتال' پہ آرہتا ہے تو اس سے فکر ارجاء کے داعی خود بخود موقعہ پائیں گے کہ ''توحیدِ حاکمیت'' کے گرد 'پیچیدگیوں' اور 'اندیشوں' کا پورا ایک جال بن دیں۔ یوں یہ مسئلہ عین اپنی ابتدا میں ہی یہاں کے علمی وفکری حلقوں میں اپنے اوپر دروازے پوری طرح بند پائے۔

حق یہ ہے کہ برصغیر کی فکری دنیا میں 'ارجاء' کے پاؤں تلے سے بساط کھینچ لی جانے کا اس وقت ایک زبردست موقعہ ہے، بشرطیکہ اس مسئلہ کو یہاں کچھ وقت دیا جائے اور ایک طبعی رفتار کے ساتھ پھیلنے کا موقعہ فراہم کیا جائے، اور اس کے بیان پر پورا زور صرف کر دیا جائے، جس کے دوران ذہنوں کی ترکیز 'مسئلۂ حاکمیت' پر رہے نہ کہ 'حاکمیت کی بنیاد پہ قتال' پر۔

پھر، ایسا کرتے ہوئے ہم کوئی مصالحت compromise بھی نہیں کر رہے۔ وہ

سب اہل علم، جو مسئلہ حاکمیت پر ایک مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں، شہادت دیں گے کہ کسی نظام کا کفر یا طاغوت ہونا اس بات کو لازم نہیں کہ اگلے لمحے اس کے خلاف مسلح جہاد کا اعلان کر دیا جائے۔ اہل علم کے نزدیک یہ بالکل ممکن اور جائز ہے کہ 'مسئلہ قتال' کو 'تکفیرِ نظام' کے مسئلہ سے الگ کر کے دیکھا اور پڑھا پڑھایا جائے، خصوصاً جبکہ اس بات کی اشد ضرورت ہو کہ معاشرے کو

---

(۲۲) طائفۃ ممتنعۃ سے مراد ہے ایسا گروہ جو شریعتِ اسلام کے واجبات و محرمات میں سے کسی معروف امر کی پابندی اختیار کرنے سے سرتابی کرے، چاہے زبان سے اس کا اقراری کیوں نہ ہو۔ جس وقت تاتاری کلمہ گو ہو چکے تھے البتہ اپنے معاملاتِ زندگی تا حال پرانے دستور ہی کے مطابق چلا رہے تھے، امام ابن تیمیہ سے فتویٰ دریافت کیا گیا آیا ان تاتاریوں کے خلاف قتال جائز ہے یا نہیں۔ ان کو الطائفۃ الممتنعۃ گردانتے ہوئے، اس پر شیخ الاسلام نے جو جواب دیا اس کا ابتدائی پیرا ملاحظہ ہو:

''ہر وہ گروہ جو اسلام کے ظاہر و متواتر شرائع (احکام) میں سے کسی ایک کی بھی پابندی سے ٹلنے والا ہو، چاہے وہ یہ لوگ ہوں (جن کی بابت سوال کیا گیا) یا کوئی اور، ان سے قتال واجب ہے جب تک کہ وہ شرائع اسلام کی پابندی اختیار نہ کر لیں، اگر چہ وہ زبان سے شہادتین (کلمہ) ادا کیوں نہ کرتے ہوں یا اسلام کے بعض شرائع (احکام) کے پابند بھی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ ابوبکر صدیقؓ اور صحابہؓ نے مانعین زکات سے قتال کیا تھا۔ اسی پر ان کے بعد کے فقہاء کا اتفاق ہے، جبکہ اس پر ابتدا میں عمرؓ کا ابوبکرؓ سے مناظرہ ہوا تھا۔ چنانچہ صحابہ نے کتاب وسنت کی پیروی میں اس پر اتفاق کیا کہ اسلام کے جو جو حقوق ہیں ان کے قیام کیلئے قتال ہوگا۔ اسی طرح نبی ﷺ سے دس طرق سے خوارج کی بابت حدیث ثابت ہے، جس میں آپ نے خبر دی کہ وہ بدترین مخلوق ہیں، جبکہ یہ بھی آپؐ نے خود ہی بتایا کہ ''تم ان کی نماز گزاری کے آگے اپنی نماز کو حقیر جانو گے اور ان کی روزہ داری کے آگے اپنے روزوں کو''۔ تو معلوم ہوا کہ خالی اسلام میں داخل ہو جانا، جبکہ اسلام کے شرائع (احکام) کی پابندی اختیار نہ کی گئی ہو، قتال کو ساقط نہیں کرتا۔ پس قتال واجب ہے اس وقت تک جب تک دین سارے کا سارا اللہ کیلئے نہیں ہو جاتا اور جب تک فتنہ ختم نہیں ہو جاتا۔ پس جب ایسا ہو کہ دین (اطاعت) غیر اللہ کیلئے ہو تو قتال واجب ہوگا۔ پس ہر وہ گروہ جو بعض نمازوں کی ادائیگی اختیار نہ کرے یا روزہ یا حج کی پابندی اختیار نہ کرے، یا اس امر کی پابندی نہ کرے کہ مسلمانوں کے جان اور مال کی حرمت ہو، یا شراب، زنا، جوا یا محرم عورتوں کو اپنے اوپر حرام کرنا، یا کفار سے جہاد، یا اہل کتاب پر جزیہ لاگو کرنا، یا دین کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ذہن سازی کے ایک زوردار عمل سے گزارا جائے، جس کے نتیجے میں ہو سکتا ہے یہاں کے بہت سے صاحب اثر و رسوخ طبقے اس دعوت کے ہم نوا بنیں اور یوں جاہلیت کے پیروں تلے سے قتال کے بغیر ہی زمین بڑی حد تک کھینچ لی جائے، کم از کم اس عمل کو کامیاب ہونے کا ایک بھرپور موقعہ ضرور دیا جائے۔

☆☆☆☆☆

علاوہ ازیں، فقہائے اہلسنت کے ہاں اگر کہیں 'الطائفة الممتنعة'[۲۲] سے قتال کے جواز کی بات ہوئی ہے تو وہ بھی اسی باب سے ہے، یعنی یہ قتال کے اصولی جواز سے متعلق ہے نہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں کہیں کوئی ایسا طبقہ یا گروہ یا ریاست پائی جائے جو احکامِ شریعت سے سرتابی کرے، وہاں ہر شخص 'اعلانِ جہاد' کر دینے کا آپ سے آپ مجاز ہو جاتا ہے!

اصولی طور پر کہیں پر قتال کے جواز کا شرعی سبب پایا جائے تو بھی یہ فیصلہ کرنا کہ وہاں مسلمانوں کو بالفعل ہتھیار اٹھانے کی ہدایت کر دی جائے، مسلمانوں کے اہل علم اور اہل حل وعقد

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ)

(کچھ ایسے ہی) اور واجبات ومحرمات کی پابندی نہ کرے، یہ ان امور کی بابت ہے جن کے انکار یا ترک کے معاملے میں کسی کا کوئی عذر تسلیم نہیں ہوتا، اور جن کے وجوب کا کھلم کھلا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے، ایسے طائفۃ ممتنعہ سے قتال کیا جائے گا چاہے وہ ان احکام کا اقراری کیوں نہ ہو۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کی بابت میں نہیں جانتا کہ علماء میں کوئی بھی اختلاف ہوا ہو۔ طائفۃ ممتنعہ کی بابت فقہاء کا اختلاف ہوا ہے تو وہ اس حد تک جب وہ بعض سنتوں کا ترک کیے بیٹھا ہو مثلاً فجر کی دو رکعت (سنت)، اذان اور اقامت ــــ یہ فقہا کے اس فریق کے نزدیک جو اقامت کو واجب نہیں سمجھتا ــــ اور اسی طرح کے دیگر شعائر اسلام (جو فرض نہیں)، تو اس پر اختلاف ہے آیا طائفۃ ممتنعہ سے ان (سنت امور) کو ترک کر رکھنے پر قتال ہوگا یا نہیں۔ البتہ جہاں تک (اسلام کے ٹھہرائے ہوئے) واجبات ومحرمات کا تعلق ہے جو اوپر ذکر ہوئے، تو اس پر کوئی بھی اختلاف نہیں کہ ان کے (ترک کیے جانے) پر قتال ہوگا...... (فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ جلد ۶ صفحہ ۴۲۵ مسئلة ما تقول الفقهاء في قتال التتار)

ہی کا حق ہے، اور عامۃ المسلمین پر ہر حال میں انہی کی اطاعت لازم۔

یہ ایک اصولی مسئلہ ہے کہ کہیں پر اگر ''قتال کے شرعی اسباب اور بواعث'' پائے جاتے ہیں تو ہوسکتا ہے وہاں پر ہی ''قتال کے کچھ شرعی موانع اور اندیشے'' بھی پائے جاتے ہوں۔ اب یہ بات کہ آیا کہیں پر ''قتال کے بواعث''، ''قتال کے موانع'' پر مقدم ہیں یا پھر ''موانع''، ''بواعث'' پر...... اس بات کا فیصلہ وہاں پائے جانے والے ''مصالح'' اور ''مفاسد'' کے موازنہ پر منحصر ہوگا، جو کہ امت کی علمی وشرعی قیادتیں ہی کر سکتی ہیں۔ حتیٰ کہ ''مصالح'' میں، جو کہ بیشمار ہوسکتے ہیں کونسی ''مصلحت'' امت کے دوررِس مفاد کی روشنی میں ''چھوٹی مصلحت'' ہے اور کونسی بڑی...... پھر ''مفاسد'' میں کونسی ''مفسدت''، امت کو لاحق ہوسکنے والے قریبی ودوررس نقصانات کو سامنے رکھتے ہوئے، ''بڑی مفسدت'' ہے اور کونسی چھوٹی...... یہ فیصلہ کرنا باقاعدہ ایک اجتہاد ہے، جبکہ ہم جانتے ہیں اسلام میں ہر کوئی اجتہاد کا مجاز نہیں، بلکہ مسلم معاشرے کے اندر یہ صرف اور صرف خاص صلاحیت رکھنے والوں کا ہی مسلمہ حق ہے۔

پس ہمارے ان نوجوانوں پر یہ واضح ہو، جن کو اللہ تعالیٰ نے یہاں منہجِ اہلسنت کے نشر وابلاغ کی توفیق دی ہے، کہ وہ بہت سا لٹریچر جو اس وقت ''حاکمیت'' اور ''ردِ ارجاء'' کے موضوع پر عرب علماء، خصوصاً علمائے نجد، کے ذخیرہ سے ترجمہ کی صورت میں ہمارے اردو خواں طبقہ کیلئے عام کیا جارہا ہے، اور بلاشبہ ہمارے اس ماحول میں یہ ایک بے حد ضروری اور فائدہ مند پیشرفت ہے......

ہمارے ان سب نوجوانوں پر واضح ہو کہ عقیدۂ اہلسنت کے یہ سب مباحث دراصل کچھ ''اصولی مباحث'' ہیں جن کا فہم عام کیا جانا بلاشبہ اس وقت ضروری ہے، البتہ اندریں حالات ان مباحث کی تطبیق application، خصوصاً اگر اس ''تطبیق'' کی نوبت ''قتال'' تک جا پہنچتی ہے، ہمارے ان مخلص طبقوں کا حق نہیں، جو ''علمائے امت'' کے زمرے میں نہیں آتے۔ بلکہ واضح رہے جب ہم اس ضمن میں ''علمائے امت'' کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے مراد ہر وہ شخص

نہیں جو شریعت کا کچھ علم رکھتا ہے، حتیٰ کہ وہ عالم بھی نہیں جو شریعت کے کچھ رواتی مسائل مانند صلوٰۃ وزکوٰۃ اور طہارت اور صیام پر فتویٰ دینے کا اہل ہے، جبکہ وہ امت اور معاشرہ کے معروضی حالات پر گہری نظر نہ رکھتا ہو، بلکہ اس سے مراد وہ اہل علم ہوں گے جن کی بابت دیگر اہل علم کی یہ باقاعدہ شہادت پائی جاتی ہو کہ امت کو پیش آنے والے معضلاتِ وقت کی بابت یہ شخص ''فتویٰ'' دینے کا پورا پورا اہل ہے۔

☆☆☆☆☆

سرکاری مشینری اور

اپنے 'غیر مذہبی' سیکٹر کیلئے!

یہ بہر حال انصاف نہیں کہ یہاں کے سرکاری کارندوں کو ''خونِ مسلم'' کی حرمت سے متعلق خبردار ہی نہ کیا جائے۔۔

مستقبل کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں۔ ہم ہر مسلم خطے کی خیر وعافیت کیلئے صبح شام اللہ سے دعا کرتے ہیں اور آئندہ دنوں کیلئے بے حد پر امید بھی ہیں، مگر ''معرکۂ اسلام وکفر'' ایک عالمی سطح پر آج جس فیصلہ کن نوبت کو پہنچا چاہتا ہے اس کے پیش نظر 'ناگہانی حالات' کی کئی ایک ممکنہ صورتوں سے غافل رہنا بھی ہرگز درست نہ ہوگا، جن کو پیدا کر دینے کیلئے دشمن اس وقت صبح شام کوشاں ہے۔

البتہ مثالیں دیکھنی ہوں تو یہی عراق ہے جہاں ریاستی انتظامیہ ایک عرصے تک دین کیلئے کام کرنے والے عناصر کی سرکوبی کو اپنے فرائض منصبی میں سرفہرست جان کر رہی۔ دین کی غیرت رکھنے والوں پر ایک طویل مدت عراق کے اندر عرصۂ حیات تنگ رہا۔ مگر آج یہی عراق ہے جہاں سابقہ 'سرکاری فوج' اور ''دین کے جانباز'' ایک ساتھ بندوق اٹھائے اپنے وجود، اپنی امت اور اپنی نسلوں کا دفاع کر رہے ہیں اور 'دونوں' اس صلیبی حملے کے مدمقابل ایک ہی مورچے میں کھڑے ہیں، اور سوائے ''جہاد'' کے کسی کو کوئی لفظ یاد نہیں۔ 'بعث' اور 'بعث کے مفادات' اور 'بعث کے عقائد' آج سب کو بھول گئے ہیں۔ پناہ نظر آ رہی ہے تو ''اسلام'' اور ''جنت'' اور ''شہادت'' ایسے شعائر میں ہی!

اللہ سے خیر اور عافیت ہی کا سوال ہے مگر کون جانے کل کے حالات کس کس کو ایک مورچے میں اکٹھا کر دینے والے ہیں! اور یہ بھی کیا ضروری ہے ایک 'مشترکہ مورچہ' کیلئے برے حالات ہی کا مفروضہ قائم کیا جائے، یہاں کی قومی قیادتوں کیلئے راہِ ہدایت کے امکان کو بعید از قیاس کیوں جانا جائے!؟

اللہ کی ایک عجیب قدرت دیکھنے میں آ رہی ہے کہ عالم اسلام کے بیشتر خطوں کے 'قومی مفادات' بھی بہت بڑی حد تک اس وقت ''اسلامی مفادات'' ہی سے وابستہ ہو چکے ہیں، یوں بہت سے مقامی طبقوں کیلئے بھی زندگی کی واحد ضمانت اب وہی نوجوان رہ گئے ہیں جو اسلام کیلئے جینا اور اسلام کیلئے مرنا آج اپنی زندگی کا باعزت ترین مصرف جانتے ہیں! کون نہیں جانتا صلیبی قوتیں یہاں سب کچھ بلڈوز کر دینے کیلئے آئی ہیں؟ یہ تو ان کو ابھی موقعہ نہیں ملا، اور اس کا سہرا بھی حقیقت دیکھیں تو ان نوجوانوں کو ہی جاتا ہے، ورنہ کون نہیں جانتا بغضِ اسلام سے بھری ہوئی یہ قوتیں یہاں صرف 'جہادیوں' کو مارنے نہیں آئیں، یہ اس 'اسلامی خطرے' کو ختم کرنے آئی ہیں جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا 'کہاں' سے پھوٹ آئے! یہ صرف اپنے 'حال' کو محفوظ بنانے نہیں آئیں، بلکہ دراصل تو یہ اپنے اس 'مستقبل' کو محفوظ کرنے آئی ہیں جس کیلئے عالم

اسلام کا ہر وہ فرد 'خطرہ' ہے جو خود چاہے کتنا ہی بے دین ہو مگر اس کی پشت سے ان 'نسلوں' کے پیدا ہو جانے کا امکان ہے جو شرک اور ظلم کی اس عالمی سلطنت کا خاتمہ کر کے رہیں گی۔

وہ خوب جانتے ہیں امتِ اسلام کا کوئی شخص کیسا ہی دین گریز اور 'سیکولر' کیوں نہ ہو، مگر اس بات کی کیا ضمانت کہ ایک بدترین نام نہاد سیکولر مسلمان کے گھر میں ایک ایسا نوجوان پیدا نہیں ہوگا جس کو چین صرف قرآن سننے میں ملتا ہو اور اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک صرف اتباعِ سنتِ رسول اللہؐ میں ہو!؟ پس یہاں کا تو ہر فرد اپنی پشت میں ایک 'امکانی خطرہ' 'potential threat' لئے پھرتا ہے، خواہ وہ دشمن کیلئے اس وقت کتنا ہی مددگار کیوں نہ ثابت ہو رہا ہو اور فی الوقت دشمن کی کتنی ہی بڑی ضرورت بھی کیوں نہ ہو!

پشتوں کی بات جانے دیجئے، خود انہی 'سیکولروں' کا کیا بھروسہ کس دن توبہ کی فکر دامنگیر ہو جائے!؟ کس دن عذابِ قبر کا خوف لاحق ہو جائے اور کسی کو دفن ہوتا دیکھ کر یا کسی 'یادش بخیر' کی زمین میں دھنسی ہوئی قبر پر کوئی گرد آلود کتبہ لگا دیکھ کر 'دنیا کی حقیقت' ایک دم سامنے آ جائے، جس کو بھلا دینے کیلئے قرآن پڑھنے پڑھانے والے معاشرے میں آدمی کو اچھی خاصی 'تگ ودو' اور اپنے ضمیر کے ساتھ روز ایک جنگ کرنا پڑتی ہے، جو کہ امتِ اسلام میں پائے جانے والے ہر شخص پر دراصل اللہ کی ایک خاص رحمت ہے؟!

روز کتنے واقعات ایسے ہو رہے ہیں کہ بے دینی میں امام مانا جانے والا ایک شخص یک لخت دین کی طرف پھر آتا ہے اور بقیہ زندگی تقویٰ اور خوفِ خدا کی زندہ مثال بن کر رہتا ہے؟ اس 'تبدیلیِ حالت' سے آج نہ تو کرکٹ اور ہاکی کے سٹار مستثنیٰ ہیں اور نہ شوبزنس کے مرد و زن، اور نہ بڑے بڑے بے دین بیوروکریٹوں کے بچے اور نہ خود بڑے بڑے سرکاری افسر اور فوجی جرنیل!

آئے روز خبر چھپتی ہے کہ 'مسلم ورلڈ' کے کسی نہ کسی ملک میں کوئی نیوز کاسٹر یا کسی ٹی وی پروگرام کی ہوسٹ 'سکارف' پر اصرار کے باعث ملازمت سے سبکدوش کر دی گئی ہے!

کیا عالم اسلام کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنی 'گارنٹی' دے سکتا ہے کہ وہ ہرگز

اور کسی قیمت پر خدا کی جانب لوٹ آنے کا نہیں!؟ کیا معلوم کس دن کس کے اندر کا مسلمان جاگ جائے اور 'معاملہ' سرتا پیر الٹ جائے!

اور آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایسے واقعات، صرف ہمارے ملک میں نہیں پورے عالم اسلام میں، اس کثرت اور تکرار کے ساتھ ان آخری عشروں میں بے حد بڑھ گئے ہیں اور ان میں اب روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے؟ یہاں تک کہ ہمارے معاشروں میں آج جو کوئی بھی اخلاق باختگی کا بدترین سمبل بنا ہوا ہے، اس کے 'کل' کی بابت کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا اور ''خاتمہ بالخیر'' کے حوالے سے 'سب کچھ' ممکن ہے، بلکہ تو صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ ایسی کسی 'خبر' پر لوگوں کو تعجب بھی بس اب 'ایک حد تک' ہی ہوتا ہے!

اور کیا یہ تک دیکھنے میں نہیں آیا کہ ایک شخص جو اپنی عمر کے کثیر سال عالم اسلام کے ایک بڑے خطے میں طاغوت بنا رہتا ہے، موت کے وقت قرآن کو سینے سے لگا کر چلتا ہے اور اپنے خاتمہ' خیر کو یقینی بناتے ہوئے، موت سے آنکھیں چار کرتے وقت، صرف اور صرف أشهد أن لا اله الا الله کا ورد کرتا ہے؟!

مغرب کو جانے والے ہمارے بچے وہاں سے بے دینی سیکھ کر آنے کی بجائے اسلام کے داعی بن کر لوٹتے ہیں!

کیا یہ سب زندہ شواہد نہیں کہ زمانہ غالباً اس امت کے حق میں تیزی کے ساتھ گردش کا حکم پا چکا ہے، اور یہ کہ جس عالمی ساہوکاری نظام کا اس 'گردشِ ایام' میں نقصان ہوتا صاف نظر آ رہا ہے اس کے اندیشہ ہائے دور دراز یہاں کے چند صد یا چند ہزار 'جہادیوں' کے گرد ہی نہیں گھومتے بلکہ اس کے خدشے اس پورے سیناریو سے متعلق ہیں، جس کی بابت امکان ہے، کہ اس کا 'ہر پتہ' اس 'آگ' کو ہوا دینے لگے جو ظلم کے محلات کو خاکستر کر دینے والی ہے! آپ یہ توقع کرنے لگے کہ وہ یہاں کے کچھ جنگجوؤں کی 'تادیب' کر کے واپس اپنے ملک لوٹ جائیں گے اور غارت گری کا یہ سارے کا سارا سلسلہ وہیں تھم جائے گا؟؟؟!

ظلم اور فساد کا ایک پانچ سو سالہ عالمی نظام جو اس وقت بڑھاپے کے آخری مراحل سے گزر رہا ہے، اور جو کہ موت کے بیشمار اسباب آپ ہی اپنے اندر اٹھائے پھرتا ہے، آج ایسا کوئی امکان باقی نہیں رہنے دینا چاہتا جو اس کی باقی ماندہ زندگی کو مختصر کر دینے کا یقینی سبب بننے والا ہو، جبکہ اس 'سبب' کی بابت ان کے سب 'باخبر' مدت سے 'عالم اسلام' ہی کی طرف بار بار اشارہ کئے جا رہے ہیں! یہ 'اشارہ' اپنے مضمرات میں اتنا واضح ہے کہ آج کے مٹھی بھر 'جہادی' ہی صرف اس کی زد میں نہیں آتے بلکہ عالم اسلام کا وہ پورا سیناریو ہے جس کے وجود میں آنے کا امکان ختم کر دینے کیلئے یہاں کا 'بہت کچھ' یا شاید 'سب کچھ' ختم کر دینا ان کی نظر میں ضروری ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ کسی بات کے روادار ہو سکتے ہیں تو یہ کہ 'ترجیحات' رکھیں، یعنی ہم میں سے کسی کی باری ان کے نزدیک پہلے آنا ضروری ہو اور کسی کی ذرا ٹھہر کر!

اس لحاظ سے امکانی طور پر potentially یہاں کے بہت سے 'غیر دینی' طبقے بھی آج عین اسی خندق میں کھڑے ہیں جس میں کہ اس وقت کے 'دینی طبقے'، چاہے کسی کو اس کا شعور آج ہو جائے یا کوئی کل اس کا تجربہ یا مشاہدہ کرنا چاہے!

محض مثال کیلئے.. اس صلیبی کینہ کو، ایک ڈیڑھ عشرہ پیشتر خطۂ بلقان میں، یعنی بوسنیا اور کوسووا میں، دلوں کے تہہ خانے سے باہر آنے اور کھل کھیل کر اپنی دیرینہ حسرتیں پوری کرنے کا ایک 'بے تکلف' موقعہ ملا تھا، یہ کوئی بہت پرانے زمانے کا واقعہ نہیں بلکہ یہی 'ٹی وی اور اخبارات' کا دور ہے، ذرا جا کر پوچھ لیجئے کیا وہاں صرف 'ڈھاڑیوں والے' ہی قتلِ عام کی نذر ہوئے تھے اور صرف 'سکارف والیاں' ہی نشانۂ ستم بنائی گئی تھیں یا پھر مسلم آباؤاجداد کے سبھی نسبت یافتگان جو جو 'قابو' آسکے آگ اور خون کے اس کھیل کی نذر کر دیئے گئے؟ اور ان سب کے بلاتفریق وامتیاز قتل ہونے کا حوالہ صرف اور صرف 'وہ' چیز تھی جس کا تعلق سراسر 'اُنکے حال' سے نہیں بلکہ یا تو ان کے 'مسلم ماضی' سے ہے اور یا پھر 'مسلم مستقبل' سے؟

بہت کم لوگ تاریخ کے اس دوررس ترین جنگی سلسلہ a warfare of the most

far-reachinng effect کی حقیقت سے واقف ہیں اور اسی وجہ سے یہ اس کو بے حد سطحی طور پر لے رہے ہیں، یوں یہ عالم اسلام کے کچھ مٹھی بھر نوجوانوں کے خاتمے کی صورت میں اس جنگ کا ایک عنقریب اختتام دیکھ رہے ہیں! حقیقت یہ ہے کہ آنے والے گلوبلائزیشن کے دور میں داخل ہونے کے اس منفرد ترین موقعہ پر، دنیا کی دو ملتوں کی یہ ایک بے حد زوردار ٹکر ہے، جس کے پیچھے، دونوں طرف، چودہ سو سال کا مومنٹم ہے۔ یہ دو ملتیں تعداد میں دنیا کا نصف بنتی ہیں مگر اہمیت اور تاثیر میں قریب قریب یہی دنیا ہیں۔ ابھی اکیسویں صدی کی 'وسائل پر قبضے کی خوفناک ترین دوڑ' کا فلسفہ اپنی جگہ پڑا ہے، جو کہ کوئی مبالغہ نہیں۔ پھر، دنیا کے سب سے بڑے ظالم کیلئے یہ زندگی اور موت کی ایک کشمکش ہے، جس میں کسی کا کوئی لحاظ جائز نہیں رہتا۔ ایسے بھاری بھر کم مومنٹم کی ٹکر تو دنیا میں شاید ہی کبھی ہوئی ہو۔ اس میں 'بیچ' کی خلقت لازماً ماری جائے گی، اور بدترین موت وہ ہے جو یقینی ہو مگر انسان کی اپنی اختیار کردہ نہ ہو بلکہ نری بے بسی کی موت ہو اور کوئی بھی اعلیٰ مقصد اس کا عنوان نہ بن سکتا ہو...... اور جس پر آدمی بعد از موت نہ تو کسی دنیوی اعزاز کا مستحق ہو اور نہ اخروی ثواب کا...... یعنی نری موت!!!

پس یہاں کے سب قوم پرست اور دین گریز، خاطر جمع رکھیں۔ یہ جنگ 'فیصلہ' ہوئے بغیر ختم ہونے کی نہیں۔ اطمینان رکھیں 'آج' کے دینی طبقے اس جنگ کا 'نقطۂ اختتام' نہیں! یہ کچھ لوگوں کو 'مروا دینے' یا 'پکڑوا دینے' پر رک جانے والی نہیں! یہ تو طاقت کے نشے میں چور ایک بدمست باطل کا حق کے امکانی قیام کے خلاف ایسا زور کا تصادم ہے جو شاید صدیوں سے نہیں دیکھا گیا اور جس میں 'پوزیشن' لئے بغیر کسی کیلئے کوئی چارہ ہی نہیں، اور 'غیر جانبداری' جس میں کوئی آپشن ہی نہیں!

بے شک آپ کا آخرت پر ایمان نہ ہو اور اسلام سے کوئی دلچسپی نہ ہو، آپ کسی نہ کسی نسبت سے، خود نہیں تو اپنے ان آباؤ اجداد کے تعلق سے جنہوں نے کئی براعظموں کو چیر کر آج کے اس 'عالم اسلام' کو ایک جیتے جاگتے لازوال واقعہ کی شکل دے ڈالی ہے، اور اپنی ان آئندہ

پشتونوں کے تعلق سے جن کی بابت آپ لاکھ چاہیں مغرب کو مطلوبہ 'یقین دہانی' کرا ہی نہیں سکتے، اور یوں نہ چاہتے ہوئے بھی، آپ اس جنگ سے بہر حال متعلق ہو جاتے ہیں۔ رہا اس جنگ پر کوئی تلافیِ نقصان یا کوئی اجر و ثواب، تو اس کا انحصار آپ کے اخلاصِ نیت پر ہے اور درستیِ اعتقاد پر، جس کو کوئی آپ پر زبردستی نہیں ٹھونس سکتا۔ پس جو چیز آپ پر زبردستی نہیں ٹھونسی جا سکتی وہ اس جنگ میں دنیا و آخرت کی سرخروئی ہے، جو کہ آپ کا اپنا ہی فیصلہ ہونا چاہیئے۔ رہی خود یہ جنگ تو وہ بہر حال آپ پر ٹھونس دی گئی ہے، جس کے پیچھے زمان اور مکان کی وہ سب جہتیں ہیں جن کو اپنے 'ماضی' سے مٹا دینا آپ کیلئے ممکن ہے اور نہ اپنی امت کے اس 'مستقبل' سے جس کی صورت دھیرے دھیرے اب نکھرتی آ رہی ہے!

حقیقت تو یہ ہے کہ بے حد طاقت رکھنے کے باوجود، اس دنیا کو آپ چلا رہے ہیں اور نہ 'وہ'۔ اس کو جو ہستی چلا رہی ہے وہ کوئی اور ہے، اور آپ اور 'وہ'، سب اس کے چلائے ہوئے یہاں چلے جا رہے ہیں اور ایک ایسی سمت کی جانب بڑھ رہے ہیں جدھر کو جانا آپ کا فیصلہ ہے اور نہ 'ان' کی منشا! ہر کسی کے آپشن یہاں بے حد محدود ہیں لہٰذا 'نتائج' پیشگی اس قدر واضح ہیں کہ ظن و تخمین کی کچھ بہت ضرورت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ کوئی چیز اوجھل ہے تو وہ وقت کا فیکٹر ہے کہ جس انجام کی جانب آپ کے اور 'ان' کے نہ چاہنے کے باوجود یہ سب صورتحال بڑھی چلی جا رہی ہے وہ جلد آنے والا ہے یا اس میں ابھی کچھ موڑ آنے والے ہیں۔

پس وہ بات جو بے حد واضح رہنی چاہیئے، یہ کہ: آج جن ناتواں بازوؤں کو اس ظلم کے خلاف اٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے، عالم اسلام کے اندر پائے جانے والے سب طبقوں کی بقا آج انہی ہاتھوں کی بقا میں مضمر ہے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ ان ہاتھوں کو مضبوط کرے تو بھی ان کو اپنا محسن ضرور جانے۔ دشمن آج اگر یہ موقعہ پاتا ہے کہ یہ ہاتھ توڑ دیئے جائیں تو یہ یہاں پائے جانے والے ہر طبقے کی موت ہے۔

البتہ جو بات اس سے بھی زیادہ تشویشناک ہو سکتی ہے وہ یہ کہ یہاں کے مقامی طبقے

آپ ہی ان ہاتھوں کو توڑنے میں دشمن کے ساتھ تعاون کریں اور یوں آپ اپنی موت کا انتظام کر کے آئیں۔ کیا کوئی شخص آپ ہی اپنی نسلوں کا دشمن بھی ہو سکتا ہے؟ اور کیا ایسا کوئی شخص خود اپنے بچوں کی نظر تک میں معتبر ہو سکتا ہے؟

آخر میں تو یہاں ہر شخص کے حصے میں ایک قبر ہی آنے والی ہے۔ صلاح الدین بھی ایک قبر ہی میں دفن ہے جو آج تک اس امت کی ہر نسل سے دعائیں اور تسلیمات و تحسینات لیتا آیا ہے اور جس کے ذکر پر یہاں کا ہر شخص اپنے آپ کو اس کا زیر بار اور احسان مند مانتا آیا ہے...... اور ان شکم پروروں کو بھی بالآخر اس دنیا سے صرف ایک قبر ہی ملی جنہوں نے منہ کی رال کے عوض اپنی ملت اور امت اور نسلوں تک آنے والی اپنی بہوؤں بیٹیوں کی عزت و آبرو کو مول میں دے ڈالا اور تاریخ کا کوئی دور سوائے آہوں اور لعنتوں کے ان کو کسی چیز کا مستحق نہیں جانتا اور ان ماؤں کو آج بھی روتا ہے جو اپنی امت کی ذلت کیلئے ان کو جنم دے بیٹھیں۔ ابھی یہ وہ کچھ ہے جس کا دینا اس دنیا کے بس میں ہے۔ رہ گیا وہ کچھ جس کا دینا رب العالمین کا اختیار ہے، اس کا تو سوچ میں آنا بھی انسان کو یا تو مبہوت کر دیتا ہے اور یا پھر رونگٹے کھڑے کر دینے کیلئے کافی ہے۔

کیا کوئی ایسا بھی شخص ہے جس کو بالآخر دنیا یہاں 'دو گز زمیں' سے زیادہ کوئی ایک چیز بھی دے دینے کی روادار ہوئی ہو؟ یہی 'دو گز زمیں' ہے جس پر پھر تا قیامت رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یا پھر ابدی لعنتیں برستی ہیں۔ فیصلہ البتہ آپ خود کرتے ہیں، اور کیا بعید کر چکے ہوں!

☆☆☆☆☆

گو ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک مسلمان کو ناحق قتل کر دینے کی اخروی سنگینی یہاں پائے جانے والے سب سرکاری و غیر سرکاری طبقوں پر واضح ہو جائے۔ خدا کے سامنے روزِ آخرت کھڑے ہو کر خونِ مسلم کی بابت کوئی کیا جواب دے گا، یہ ہر شخص کے اپنے سوچنے کی بات ہے، کسی کا افسر روزِ قیامت اس کو چھڑانے کیلئے آئے گا اور نہ کسی کا حاکمِ بالا اس کی جگہ خدا کا عذاب سہنے کو آئے گا۔

سب سے کمزور اور لاغر وہاں وہ ہوگا جو آج اللہ کے ماسوا سہاروں پر بھروسا کرتے ہوئے، اور 'اُس' کے غیروں کے 'احکامات' کو سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے، 'اُس' کے اولیاء (اللہ کے جتھہ برداروں اور اس کے رسولوں کی نصرت کے لئے نکلنے والوں) کو وجود سے ختم کردینا 'معمولی' بات سمجھتا ہے!

ایک غیر مسلم کا ناحق خون کردینا بھی اگر ایک سنگین جرم ہے تو پھر اس شخص کا خون کردینے کے بارے میں کیا خیال ہے جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے؟ وہ بدبخت جو اللہ پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کو قتل کرکے آیا ہوگا، قیامت کے روز اللہ کے سامنے آخر کھڑا کیسے ہوگا؟ چند ٹکے کا مفاد اور وہ بھی چند پل کی زندگی، جہنم کے عذاب کے ساتھ کیا اس کا کوئی موازنہ ہے؟ قرآن کی ایک ہی آیت میں اتنی وعیدیں ایک ساتھ، آدمی کے رونگٹے کھڑے کردینے کیلئے کیا کافی نہیں؟

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنم، خالدا فیھا، وغضب اللہ علیہ، ولعنہ، واعد لہ عذاباً عظیماً (النساء:۹۳)

یعنی: جس شخص نے جانتے بوجھتے ہوئے ایک مؤمن کا خون کردیا:

- اس کی سزا جہنم،
- اس جہنم میں اس کو ہمیشگی،
- اللہ کا اس پر غضب ہوا
- اللہ کی اس پر لعنت برسی،
- اور ایک عذابِ عظیم بھی اللہ نے اس کیلئے تیار کرلیا ہے۔

امام طبریؒ اپنی تفسیر میں مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن عباسؓ سے یہ اثر لاتے ہیں:

روایت سالم بن ابی الجعد سے، کہا: ہم عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تھے، یہ تب کی بات

ہے جب (آخر عمر میں) عبداللہ بن عباسؓ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ ایک آدمی آیا اور عبداللہ بن عباسؓ کو پکار کر کہنے لگا: عبداللہ ابن عباسؓ! اس شخص کی بابت آپ کا فتویٰ کیا ہے جو کسی مومن کو جانتے بوجھتے قتل کر آیا ہے؟ عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا: ''اس کی سزا جہنم، ہمیشگی کے ساتھ، اللہ کا اس پر غضب ہوا، اللہ نے اس پر لعنت کر دی، اور ایک بہت بڑا عذاب وہ اس کیلئے تیار کئے ہوئے ہے''۔ آدمی نے پوچھا: مگر کیا خیال ہے اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور ایمان وعمل صالح اور ہدایت کا راستہ اختیار کر لیتا ہے؟ عبداللہ بن عباسؓ گویا ہوئے: اس کی ماں اس کے بین کرے۔ توبہ اس کیلئے کہاں؟ ہدایت اس کیلئے کہاں؟ قسم مجھے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں نے تمہارے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: جس آدمی نے کسی دوسرے آدمی کو قتل کیا ہوگا، قیامت کے روز وہ اپنے قاتل کو پکڑ کر رحمٰن کے عرش کے پاس لائے گا، اس کی شاہ رگ سے خون (اسی طرح) ابل رہا ہوگا۔ تب وہ اپنے قاتل کو پکڑ کر رب العالمین سے کہے گا: ذرا پوچھ اس سے، کیوں اس نے میرا خون کیا؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں عبداللہؓ کی جان ہے، یہ آیت نازل ہوئی تو اس کو منسوخ کرنے کیلئے تمہارے نبی ﷺ کے رحلت کر جانے تک کوئی اور آیت اس کے بعد نازل نہیں ہوئی۔

عبداللہ بن عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا جو کسی مسلمان کا خون کر آیا تھا۔ تب عبداللہ ابن عمرؓ نے اس سے کہا: ٹھنڈا پانی جتنا پینا ہو یہیں دنیا میں پی جانا، آگے اس کی امید مت رکھنا۔

امام ابن کثیرؒ سورۂ نساء کی اسی آیت کے ضمن میں ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کی ایک حدیث لاتے ہیں، جو کہ عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے:

لزوال الدنيا أهون على الله من قتل رجل مسلم

''پوری دنیا ختم ہو جائے، یہ اللہ کے ہاں (سنگینی میں) اس سے کہیں کم ہے کہ ایک مسلمان آدمی کا خون کر دیا جائے''

پس کوئی اگر ایک مسلمان کا قتل کرتا ہے، خدا کے نزدیک وہ اِس سے بھی بڑا پاپ ہے

کہ وہ خدا کا سارا جہان ڈھا دے۔ مومن کی جان کی اللہ کے ہاں اتنی بڑی حرمت ہے۔ کوئی اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھنے والے کسی شخص پر بندوق اٹھائے تو اللہ کے اس انتقام کا پہلے اندازہ کر لے جو اللہ اپنا نام لینے والے کیلئے، دنیا میں نہیں تو آخرت میں لے کر رہے گا۔ جس میں ہمت ہے وہ خدا کے کسی نام لیوا کو مار کر، کل اپنا حشر دیکھ لے۔

ایک بڑی عدالت عنقریب لگنے والی ہے......!

☆☆☆☆☆

ان مع العسر یسرا

نیا اسلامی دور..

عالمی بساط سے ظالموں کا پسپا ہونا اب ٹھہر گیا ہے!

امریکہ کے معروف مفکر فرانسس فوکویاما نے کمیونزم کے سقوط پر بغلیں بجاتے ہوئے کچھ عرصہ پہلے ایک تصنیف شائع کی تھی: The End of History یعنی 'تاریخ کا اختتام'۔ سیموئیل ہنٹنگٹن کی کتاب Clash of Civilizations یعنی 'تہذیبوں کا تصادم' کے بعد شاید یہ دوسری کتاب ہے جو مغرب میں اس موضوع پر ایک غیر معمولی مقبولیت پا چکی ہے۔ فرانسس فوکویاما نے سوویت یونین کے بالمقابل امریکی جیت پر جو شیخی بگھاری، اس کا لب لباب ہم اپنے الفاظ میں کریں تو کچھ یوں تھا:

''مغربی ڈیموکریسی جیت چکی ہے۔ اس کی جیت کے ساتھ دراصل امریکہ اور مغرب

کی جیت ہوئی ہے۔ دنیا کے پاس مزید انتظار کیلئے اب اور کچھ نہیں رہ گیا۔ دنیا کو جو کچھ 'نیا' دیکھنا تھا وہ دیکھ چکی یعنی مارکسزم کا خاتمہ، سوویت یونین کا ٹوٹ کر بکھرنا، اور آزاد لبرل ڈیموکریسی کا دنیا میں چہار وانگ شہرہ۔ یعنی یہ ڈیموکریسی اب مشرقی بلاک کے ان ملکوں میں بھی اپنا لوہا منوا رہی ہے جو کمیونزم کے نظام میں جکڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ اب تاریخ کا دروازہ بند ہوتا ہے آج کے بعد اب اور کچھ 'نیا' نہیں ہونے والا۔ اگر کچھ ہوگا تو یہی کہ اسی نظام میں کہیں کہیں معمولی اصلاحات اور تبدیلیاں کی جاتی رہیں"!

فوکویاما کی اس تصنیف کے جواب میں، آج سے کوئی ایک عشرہ پیشتر، ڈاکٹر سلمان العودۃ نے اسی عنوان سے ایک رسالہ قلمبند کیا تھا۔ یہاں ہم اس رسالہ کے چند اقتباسات نقل کریں گے، جو کہ ہم دیکھیں گے کہ ایک عشرہ گزر جانے کے بعد اب اور بھی کس قدر حقیقت بنتا نظر آ رہے ہیں:(۲۳)

☆ کمیونزم کو ستر سال سے زیادہ عمر بھی نصیب نہ ہوئی۔ ستر سال، جو کہ ایک عام انسان کیلئے تو مناسب عمر ہے مگر ایک ملک یا ایک امت یا ایک نظریے کیلئے ہر گز نہیں! ویسے ہی شفلنجر کی مغرب کے انحطاط کی پیشین گوئی ہے......

امریکہ نے عالمی منظر نامے پر ایک غیر معمولی سرعت سے ظہور کیا ہے۔ بطور عالمی طاقت اور عالمی قیادت، امریکہ صرف دوسری عالمی جنگ کے بعد جانا جانے لگا ہے۔ یعنی اس لحاظ سے اس کی عمر ابھی پچاس ساٹھ سال سے زیادہ نہیں بنتی جس کے دوران یہ عالمی پولیس مین بن بیٹھا ہے......

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ امریکہ ایک غیر معمولی تیزی سے اوپر آیا ہے۔ اس لیے یہ حیرت انگیز نہ ہوگا کہ امریکہ نیچے بھی اسی تیزی سے جائے.. جیسا کہ بعض تحقیقات اور تجزیے یہ

---

(۲۳) از رسالہ (نهاية التاريخ) "تاریخ کا اختتام"، مؤلفہ شیخ سلمان العودۃ، رسالہ کی اردو تلخیص سہ ماہی ایقاظ کے شمارہ نمبر ۵، جون ۲۰۰۲ء میں دی جا چکی ہے۔

امکان ظاہر کر بھی رہے ہیں......

مزید برآں، کمیونزم کے دریا برد ہو جانے کے ساتھ ہی عالم اسلام میں کمیونزم کی دم چھلہ حکومتیں بھی دھڑام سے گر گئی تھیں۔ کمیونسٹ پارٹیاں، کمیونسٹ مفکر، کمیونسٹ عناصر سب روپوش ہوئے اور اکثر تو مغرب کی جھولی میں جا گرے تھے۔ چنانچہ آج ان سب لوگوں کو خبردار کرنے کی ضرورت ہے، جنہوں نے اپنا وجود مغرب کے وجود سے وابستہ کر لیا ہے، جن کی سیاست کی سب گرہیں اب مغرب سے کھلتی ہیں، جن کی اقتصاد کی سب تاریں اب مغرب سے ہلتی ہیں، جن کے سب فیصلے مغرب کے فیصلوں کے زیر نگیں بلکہ مغرب کے زیر فرمائش ہوتے ہیں اور جو کہ مغرب سے بھی بڑھ کر مغربی ہیں اور جو کہ عالم اسلام اور اقوام اسلام پر خود مغرب سے بھی بڑھ کر بوجھ بن چکے ہیں.. ان سب کو ہم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا کر خبردار کر دینا چاہتے ہیں:

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ (المائدۃ:۵۲)

''پس تم دیکھتے ہو وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے آج وہ اُن (یہود و نصاریٰ) سے (تعلقات بنانے) میں دوڑ دوپ کرتے پھرتے ہیں، کہتے ہیں ہمیں خدشہ ہے ہم پر کوئی برا وقت نہ آن پڑے۔ مگر بعید نہیں کہ اللہ جب (مسلمانوں کو) فیصلہ کن فتح بخشے گا یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے گا تو یہ لوگ اپنی اس (ساز باز) پر جسے یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، نادم ہونگے''

ان سبھی لوگوں کو، بلکہ سب مسلمانوں کو، خبردار کر دینے کی ضرورت ہے کہ انسانیت کے سامنے اللہ کی پناہ میں آ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا اور یہ کہ انسانیت کے سامنے اس 'اسلامی حل' اور 'اسلامی متبادل' میں پناہ پا لینے کے سوا کوئی جائے فرار نہیں جو رب العالمین نے

واجب ٹھہرایا ہے اور یہ کہ اس سے افراد کیلئے کوئی جائے رفتن ہے اور نہ حکومتوں کیلئے۔

....

☆ روئے زمین پر ایک مسلمان ہی ہیں جو دنیا کو متبادل دینے پر قدرت رکھتے ہیں.. اور وہ اس دین اور منہج کی صورت میں جو اللہ کے ہاں سے نازل شدہ ہے..

چنانچہ ایک مسلمان ہی ہیں جو اسلامی عدل کی بنیاد پر اقوام عالم کا ایک نظام قائم کر سکتے ہیں، اقتصاد کی الجھی گتھیاں صرف مسلمان سلجھا سکتے ہیں، سود کا شرعی متبادل صرف انہی کے پاس ہے، مشرق اور مغرب کے سب معاشرے جس ہولناک فساد اور انحطاط کا شکار ہو چکے ہیں اسلام کے پیروکار ہی انہیں اس سے نجات دلا سکتے ہیں، خانگی نظام کی تباہی کا حل صرف ان کے پاس ہے، نوجوان جس طرح تباہ ہو رہے ہیں ان کو راہ راست پر لے آنا صرف اہل اسلام کیلئے ممکن ہے، اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کے پاس وہ نظریہ ہے جو انسان کے قلب وذہن اور فکر وشعور کو یقین اور اطمینان سے سرشار کرتا ہے اور جس سے انحراف اختیار کر لینے پر انسانی ذہن کرب واندیشہ اور سرگردانی کا شکار ہو جاتا ہے......

مسلمان ان سبھی خزانوں کے مالک ہیں اور انہی کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان کو عملی طور پر اور واقعاتی انداز میں بھی دنیا کو پیش کر کے دکھائیں اور نظریاتی تحقیقات کی صورت میں بھی۔ مگر صورتحال یہ ہے کہ مسلمانوں کے اپنے عیوب نے اسلام کے ان سب حسین پہلوؤں کو چھپا رکھا ہے۔ مسلمانوں کی علمی پسماندگی، دینی غفلت، دعوت الی اللہ کے فریضہ کو طاق نسیاں میں رکھ دینا، آپس میں تفرقہ، اختلاف اور پھر مغرب کے پیچھے چل پڑنا.. ان سب باتوں نے مغرب کو یہ باور کرا دیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس دنیا کو دینے کیلئے واقعی کچھ نہیں۔ کیونکہ اگر ان کے اپنے پاس کچھ ہوتا تو آج یہ خود فکر مغرب کے ٹکڑوں پر نہ پل رہے ہوتے اور نہ ہی یہ سرتا پیر مغرب کے مقلد اور مغربی تہذیب کے خوشہ چین ہوتے۔

....

☆ ہم یہ موضوع اس لیے بھی اٹھانا چاہتے ہیں کہ ان اسلامی مفادات کا تحفظ ممکن ہو سکے جو کسی وجہ سے مغرب کے ساتھ وابستہ کرا دیئے گئے ہیں چاہے وہ مسلمانوں کے اقتصادی مفادات ہوں یا سیاسی یا انتظامی یا ابلاغی یا تعلیمی۔ مسلمانوں کو پوری طرح اس گڑھے کا ادراک ہو جانا چاہیے جس میں گرنے کیلئے مغرب سرپٹ بھاگ رہا ہے۔ یہ ادراک ہوگا تو ہی وہ مغرب کے ساتھ بھاگتے رہنے یا اس کے نرغے میں آئے رہنے سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔

......

☆ اور پھر آخر میں ہم اس مضمون کو اس لیے بھی چھوڑ رہے ہیں کہ ہمارے خیال میں یہ اللہ کے اس فرمان کا تقاضا ہے:

ولما رأى المومنو ن الأحزاب قالوهذا ماوعد نا الله ورسوله و صدق الله ورسوله ومازادهم الا ايمانا و تسليما (الاحزاب: ۲۲)

"اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا کہ) جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اسکے رسول کی بات بالکل سچی تھی"

غزوۂ احزاب میں سچے مسلمانوں نے اپنے دین کی حقانیت اور اپنے روشن مستقبل پر یقین کا اظہار یونہی خطرات کی آندھیوں اور اندیشوں کے طوفان کے مدمقابل کھڑے ہو کر کیا تھا۔

ہم بھی پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ: امریکہ بھی خدائی قانون کے نرغے میں اسی طرح آئے گا بلکہ یورپ اور مغرب بھی اسی طرح اللہ کے فطری قانون کی زد میں آئے گا جس طرح اور لوگ اس کی زد میں آتے رہے ہیں اور ایسا بہت جلد ہونے والا ہے۔

اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ 'ایسا جلد ہونے والا ہے' تو اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ مغرب کے اوندھا ہو کر گر پڑنے کی خبر سننے کیلئے آپ اپنے ریڈیو کی سوئی گھمانا شروع

کردیں۔قوموں کی زندگی میں سال لمحوں کی طرح گزرا کرتے ہیں۔

ویستعجلونک بالعذاب ولن یخلف اللہ وعدہ وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون (الحج:۴۷)

"یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی مچارہے ہیں۔اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کریگا،مگر تیرے رب کے ہاں کاایک دن تمہارے شمار کے ہزار برس کے برابر ہوا کرتا ہے"

......

☆ آج جو سقوطِ مغرب کی بات کرتا ہے وہ ایسا ہی ہے جو کسی بت کے حصے بخرے کرکے اس کی پوجا کرنے والوں پر اس بت کی حقیقت واضح کرتا ہے کہ یہ تو محض بے حس و حرکت بت ہے جو نفع یا نقصان پہچانے کی سکت سے عاری ہے۔جبکہ مسلمانوں کی ایک خاصی بڑی تعداد ابھی تک مغرب کے طلسم میں گرفتار ہے اور مغرب سے منفرد رہنے کی سکت سے عاری۔

......

ایک وقت تھا جب مغربی طرز زندگی کی جانب دیکھ کر لوگوں کی نظریں خیرہ ہو جایا کرتی تھیں۔اس کی تہذیب کی طرف یوں دیکھا جاتا تھا جیسے یہ دنیا کی سب سے اعلیٰ تہذیب ہے۔ اسکی قوت کی جانب یوں دیکھا جاتا تھا جیسے ہمیشہ اسی کو غالب رہنا ہے۔اور اس کی ترقی یوں لگتی تھی گویا یہ لازوال ہو۔

یہ وہ وقت تھا جب اس کے سقوط اور انحطاط کی بات تک کی کہیں گنجائش نہ تھی۔ بہت ہی تھوڑے اہل بصیرت تھے جنکی نگاہیں اس کی چکا چوند سے آگے گزر کر اور اس کے فکری حصار سے آزاد ہوکر اس کے پیچھے چھپی حقیقت صاف دیکھ سکتی تھیں۔

سید قطبؒ کا شمار بھی انہی اہل بصیرت میں ہوتا ہے جنہوں نے ایک زمانہ پیشتر اپنا مشہور عام مقالہ انتھیٰ دورُ الرجل الأبیض یعنی 'گورے انسان کا دور ختم ہوا' تحریر کیا تھا اور اس وقت مغربی تہذیب کے قربِ انہدام ہونے کا اعلان کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ احساس

دلانے کی کوشش تھی کہ اب آئندہ متبادل وہ بنیں اور اسلام کی صورت میں دنیا کو اس بدبختی سے نجات کیلئے حل پیش کریں۔

......

☆ اور تو اور مغربی ڈیموکریسی کی بعض اشکال ہی بعض ماہرین سیاست کو امریکہ کی سلامتی کے لیے ایک خطرہ بنتا دکھائی دے رہی ہیں۔ چنانچہ امریکہ کے قومی سلامتی کے ایک سابقہ مشیر برزنسکی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے 'برتری کے دائرے سے پرے'، برزنسکی اپنی اس کتاب میں لکھتا ہے:

"کمیونزم کے بعد وجود میں آنے والی دنیا ایک خطرناک دنیا ہے۔ یہ ایک پریشان اور کشیدہ دنیا ہے۔ ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان خطرات کا ادراک کرلیں جو مغربی ڈیموکریسی سے جنم لے سکتے ہیں۔ کیونکہ امریکہ میں اس سے ایک طرح کی بے قید اور مادر پدر آزاد روش پیدا ہوگی۔ جہاں ہر بات جائز ہوگی اور ہر چیز کی اجازت۔ جس کے نتیجے میں افراد کے مفادات آپس میں ٹکرائیں گے اور یہ صورتحال شخصی انانیت میں بہت بڑے اضافے کا باعث بنے گی اور اس سے معاشرے میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل بھی بڑھے گا اور ایک بڑے خطرے کی گنجائش بھی"

برزنسکی کے الفاظ میں یہ ایک ایسی دنیا ہے جو کمیونزم کے فلاپ ہو جانے کے بعد، اپنے رونما ہونے کیلئے، بری طرح جوش کھا رہی ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس شخص یعنی برزنسکی نے لگ بھگ 1987 ہی میں کمیونزم کے سقوط کی پیشین گوئی کردی تھی جیسا کہ اس کی کتاب "سقوط عظیم" سے ظاہر ہوتا ہے۔

چنانچہ اس انداز کی سیاسی اور اقتصادی تحقیقات یہ توقع ظاہر کررہی ہیں کہ برطانیہ کی طرح امریکہ کو بھی عالمی بساط سے سمٹ آنا ہوگا۔ کیونکہ کچھ ہی دیر پہلے برطانیہ پر ایسا وقت ہو گزرا ہے جب لوگوں کے بقول اس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ مگر کچھ عرصے میں اپنی سب کالونیاں اور اپنے زیرنگین ملکوں کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے گھر آبیٹھنا پڑا۔ اگرچہ برطانیہ اپنی سائنسی اور فوجی طاقت کو بچا رکھنے میں بڑی حد تک کامیاب ہی رہا، اور دنیا میں اپنی سیاسی برتری بھی

اس نے پوری طرح نہیں کھودی۔ ایسا ہی امریکہ کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور فی الحال اتنا بھی کافی ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کو اپنے کارڈ کھیلنے کا موقعہ تو کم از کم مل سکتا ہے۔ وہ اپنے معاملات کو ایک نئے سرے سے ترتیب دینے کا وقت پاسکتے ہیں۔ اپنے مفادات کا تعین کرسکتے ہیں اور یہ بھی فیصلہ کرسکتے ہیں کہ وہ کس کے ساتھ کیسا معاملہ کریں تو ان کے استحکام کیلئے اور ان کی معاشی اور سماجی ترقی کیلئے بہتر رہ سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ہم اپنی بعض گزشتہ تحریروں میں کہہ چکے ہیں (۲۴):

بظاہر کئی ایک المیے اور سانحے ہیں مگر وہ ایک ایسے اسٹیج کی راہ ہموار کر رہے ہیں جو دنیا کے لئے بے حد حیران کن ہے۔ قریب ہے کہ زمین کے سینے پر چڑھ بیٹھنے والی کئی ایک جابر قوتوں کے اب کسی بھی وقت گھٹنے لگ جائیں، جس کے ساتھ ہی ظلم اور نظامِ سرمایہ داری کے پنجوں میں سسکتا عالمی توازن ایک نیا رخ اختیار کرلے۔ استحصالی نظام کی جس چٹان سے ٹکرا کر سوشلزم اور کمیونزم پاش پاش ہو چکے، اور جس کی جکڑ میں عالمِ انسان کا قریب قریب ہر فرد کراہ رہا ہے...... **الراکعون الساجدون، الآمرون بالمعروف و الناهون عن المنكر، والحافظون لحدود الله**(۲۵) کے صبر آزما و خدا آشنا عمل کے اثر سے، قریب ہے اب ظلم کی وہ سنگلاخ چٹان زائل ہوتی دیکھی جائے۔

عالمی دریوزہ گروں کی ڈالی ہوئی بیڑیاں آج اگر ٹوٹتی ہیں، اُن کے بے بس ہوجانے کے نتیجے میں معاملات ایک بار اگر اُن کے ہاتھ سے نکلتے ہیں اور آزاد ہواؤں میں سانس لینے

---

(۲۴) عرضِ مترجم، کتاب: روزِ غضب، زوالِ اسرائیل پر انبیاء کی بشارتیں، توراتی صحیفوں کی اپنی شہادت، جبکہ آخری پیرا ایقاظ کے ایک سابقہ مضمون ''مسلم حکمرانوں کی غیر موجودگی میں قتال کے شرعی ضوابط'' سے لیا گیا ہے۔

(۲۵) التوبہ: ۱۱۲: ''رکوع کرنے والے، سجدے کرنے والے، امر بالمعروف کرنے والے، نہی عن المنکر کرنے والے، اور اللہ کی حدوں کے محافظ''

کیلئے بے چین دنیا اپنا آپ چھڑا لینے کا ایک موقعہ اگر پا لیتی ہے...... تو بلاشبہ یہ پچھلی کئی صدیوں میں ہونے والا سب سے بڑا واقعہ ہوگا، خصوصاً عالمِ اسلام کے حق میں۔ اِس کے نتیجے میں ہمارا اور شاید پوری دنیا کا ہی معاملہ کچھ دیر بڑے بڑے ہچکولے لے گا لیکن ایک ظالم کی جگہ لینے کیلئے کوئی دوسرا ظالم اگر چوکس و تیار نہیں بیٹھا تو ایک حادثاتی کیفیت سے گزرنے کے بعد یہ بالآخر خود اپنا توازن قائم کر لے گا، خصوصاً اگر ایشیا کی کئی دیگر محنتی اقوام کی طرح مسلمان بھی اِس مرحلے کیلئے اپنی تیاریاں شروع کر لیتے ہیں۔

البتہ اِس صبح کے آثار ضرور نمایاں ہونے لگے ہیں، جس کی روشنی خونِ مسلم ہی کی مرہونِ منت ہے...... ظالموں کی پسپائی اب کوئی دیر کی بات رہ گئی ہے۔ افغانستان اور عراق سے نکلنے کے لئے وہ کوئی آبرومندراہ تک اب باقی نہیں پاتے۔ پیچھے ہٹنے کا عمل کب کا شروع ہو چکا ہوتا اگر یہ واضح نہ ہوتا کہ ایک بار یہ سلسلہ چل نکلا تو وہ فلسطین و ہند و بلقان سے کم کہیں رکنے کا نہیں۔ ایک بار کا اٹھا ہوا قدم کم از کم بھی ایشیا، افریقہ اور آدھے یورپ سے دستبرداری ہے!

آخر تو یہ ہونا ہے!!!

اتنا ہی نہیں کہ عالمی واقعات کا دھارا اپنا رخ بدلنے جا رہا ہے، ان واقعات کی تیز رفتاری خود اپنی جگہ ایک ششدر کر دینے والی حقیقت ہے۔ وہ باتیں جو کبھی خواب نظر آتی تھیں نہ صرف معرضِ وجود میں آ رہی ہیں بلکہ وہ ہمارے اپنے ہی اس دور کے اندر دیکھنے میں آنے لگی ہیں اور عنقریب ان شاءاللہ ہم مشاہدہ کرنے والے ہیں کہ عالمی پانسہ اس امت کے حق میں کس خوبصورتی کے ساتھ پلٹ گیا ہے۔

مساجد کی روز بروز بڑھتی رونق، بازاروں میں نمایاں تر ہوتے جانے والے حجاب کے باحیا مناظر، نوجوانوں میں پابندیِ دین کے روبہ ترقی مظاہر، جوق در جوق جہاد کی جانب رخ...... گراف جیسے جیسے بڑھ رہا ہے، ویسے ویسے امت کی سرزمین پر خدائی مدد اترتی دیکھی جا رہی ہے۔ امت کے اندر ایمان کی ترقی اور توحید اور کتاب وسنت کی طرف واپسی ایک ایسا بیج

ہے جو اپنا ثمر یہاں دنیا کے اندر بھی دکھانے لگا ہے۔ ایک بیج کا پیدآور ہونا حتمی اور یقینی ہو وہ تو پھر جتنا ڈال دیا جائے کم ہے، خصوصاً جبکہ دستیاب زمین کا بھی کوئی حد وحساب نہ ہو! کاشتکاروں کے لئے موسم اور فضائیں ہر طرف ہریالی کر دینے کا اس سے بہتر شاید ہی کبھی کوئی موقعہ لے کر آئی ہوں! گھٹائیں اور بجلیاں ہمیشہ خوفزدہ کرنے کیلئے نہیں ہوا کرتیں!

واقعات کی یہ تیزی جہاں امید افزا ہے وہاں فکر طلب ہے کہ آنے والے دنوں کے اندر کارکنانِ اسلام کی ذمہ داریاں بے حد وسیع اور متنوع ہو جانے والی ہیں۔ اسلام اگر دنیا کا ایک مرکزی واقعہ بننے جا رہا ہے تو اس سے ہمیں خود بخود اندازہ ہو سکتا ہے کہ آنے والے دن ہمارے لئے کیسے کیسے چیلنج لانے والے ہیں۔

☆☆☆☆☆

آپ دیکھتے ہیں جہاں ایک بدمست 'ہاتھی' کئی ایک براعظموں میں بیک وقت اودھم مچاتا پھر رہا ہے وہاں اپنے گھروں کی حفاظت پر مستعد 'چیونٹیاں' اس کو کچھ کاری زخم لگانے میں بھی کامیاب ہو چکی ہیں۔ یہ 'چیونٹیاں' افغانستان میں روپوش ہوتی ہیں تو عراق میں نکل آتی ہیں۔ وہاں گم ہوتی ہیں تو فلسطین میں اس کے سونڈ کے اندر گھسی ہوئی ملتی ہیں۔ کسی وقت لبنان کے اندر 'محسوس' ہوتی ہیں تو کسی وقت یمن اور سوڈان اور کشمیر میں۔ اور پھر اب صومالیہ کا حال سنو تو بارہ پندرہ سال کی خاموش محنت کے ایسے زبردست نتائج ہیں کہ یقین ہی نہ آئے۔ اور اس سے بھی شاید آپ کو انکار نہ ہو کہ ہر جگہ پورا اترنے میں ہاتھی کیلئے اچھی خاصی مشکل پیش آ رہی ہے۔

ان تکونوا تألمون فانهم يألمون كما تألمون وترجون من الله ما لا يرجون [۲۶]

چیونٹیوں کی خوراک بھی ایک مسئلہ ہے مگر ہاتھی کا کھاجا تو روز بروز اس کے لئے ایک پریشان کن مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ اس سے پہلا جو ہاتھی مرا تھا وہ بھی کوئی طیارے اور توپیں کم پڑ جانے کے

---

(۲۶) النساء: ۱۰۴ ''تم اگر (قتال کے اندر) دکھ اٹھاتے ہو، تو دکھ ان کو بھی ویسے ہی ہوتا ہے جیسے تم کو، البتہ تم اللہ سے اس بات کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں''

باعث تھوڑی مرا تھا، جیسا کہ کچھ لوگ آج ہمیں 'طاقت کے توازن' پر لیکچر دیتے ہیں! اُس کا بھی تو کھا جا ہی کم ہوا تھا اور اس کا بھاری بھر کم وجود اسی وار کی تاب نہ لاتے ہوئے ہی زمیں بوس ہو گیا تھا! اور اب ذرا دیکھئے تو سہی ملٹی نیشنل کمپنیاں اور بڑے بڑے بزنس کس طرح آئے روز اس کو چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں اور کہا جانے لگا ہے کہ 'سرمایہ کسی کا سگا نہیں ہوتا، صرف محفوظ کشتی ڈھونڈتا ہے'...... ألم تر كيف فعل ربك بأصحاب الفيل؟!

☆☆☆☆☆

اس معاملے کی ساری دلچسپی اس سوال سے وابستہ ہو جاتی ہے کہ یہ لڑکھڑاتا ہاتھی جب ڈھ جائے گا، اور جو کہ اب بہت قریب دکھائی دینے لگا ہے، تو دنیا کا سارا سینار یو کیونکر اپنی صورت بدلے گا؟ خصوصاً اس سینار یو کا وہ حصہ جو "عالم اسلام" سے متعلق ہے؟!!

صورت حال اس قدر دلچسپ ہو چکی ہے کہ کوئی دوسرا ہاتھی اِس کی فوری جگہ لینے کیلئے اول تو موجود نہیں، اور یہ وہ اہم ترین بات ہے جو کہ جذبہ' عمل سے جوش مارتے عالم اسلام کو آزادی کے ساتھ اپنی صفیں ترتیب دے لینے کیلئے ایک بڑا موقعہ دلانے والا نہایت اہم عامل ہوگا، جبکہ عالم اسلام کو ایک نئے منظرنامے کیلئے تیار ہونے کیلئے یکسوئی کے ساتھ کوئی عشرہ بھر بھی مل جائے تو کچھ ایسا برا نہیں، خصوصاً اگر کچھ زمانہ شناس اسلامی قیادتیں اس کو رخ اور تربیت دینے کیلئے میسر آ جاتی ہیں اور جو کہ عالم اسلام کے کچھ خطوں میں تو بالفعل پائی جانے لگی ہیں......

پھر اگر اِس ہاتھی کے، اسلام کی زمین اور وسائل سے بے دخل کر دیا جانے کے بعد، کوئی اور 'ہاتھی' یہاں پایا بھی جاتا ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا اندیشہ ہے، تو پہلے دو ہاتھیوں کا حشر دیکھ لینے کے بعد اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوتِ مزاحمت کا نظارہ کر لینے کے بعد، یہ بہرحال بعید ہے کہ اُس کی پہلی ترجیح بھی مسلمانوں کے ساتھ دشمنی مول لینا ہو! انسان بن کر رہنا اس کی ایک بڑی ضرورت ہوگی! کم از کم بھی اس کو یہ کرنا ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ 'معاملہ' کرے نہ کہ دھونس۔ فی الحال یہ بھی بہت ہے۔

بلکہ خود امریکہ ہی اگر اس کیلئے تیار ہو کہ وہ ہم پر پولیس مینی نہ کرے اور اپنے گھر تک

محدود رہتے ہوئے ہم سے برابری کی بنیاد پر 'معاملہ' کرے، ہم پر اپنی تہذیب مسلط کرنے کیلئے ہمارے سب تعلیمی وتربیتی نظام اور ہمارے ثقافتی سیٹ اپ میں مداخلت وفوجداری کرنا اور ہمارے تہذیبی خدوخال مسخ کرنے کے کثیر لاگت پروگراموں اور منصوبوں کی سرپرستی وپشت پناہی کرنا چھوڑ دے، ہماری اسلامی تحریکوں کی راہ میں روڑے اٹکانے اور ہر جگہ اور ہر طریقے سے ان کے خاتمہ کے گھناؤنے ایجنڈے کو لے کر چلنے سے باز رہے اور یہاں جو صالح تبدیلیاں آیا چاہتی ہیں ان کے ساتھ جنگ سے دستکش ہو جائے، فلسطین، سوڈان، صومالیہ، کشمیر اور دیگر مسلم خطوں میں ہمارے دشمن کا ساتھ دینے سے تائب ہو جائے اور ہم پر افغانستان وعراق ایسی مہم جوئی سے ہٹ کر ہمارے نقصانات کا تاوان دینے پر آمادہ ہو...... تو ہمیں ہرگز کوئی ضرورت نہیں کہ پوری دنیا میں ہم اپنی جنگ کیلئے خاص امریکی طاغوت ہی کا انتخاب کریں!

پورے جہان کو چھوڑ کر اور کوئی ڈیڑھ دوسو ملکوں کو بیچ سے نظر انداز کرتے ہوئے، سات سمندر پار بیٹھے ایک 'دور دراز ملک' ہی کے خلاف مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک آج اسلامی جذبہ ایک لاوے کی طرح کھول رہا ہے، تو کیا اس کی کوئی بھی 'وجہ' نہیں؟!!

یہ ساری جنگ اور مزاحمت جو اسلامی دنیا کا آج کا قابل ذکر ترین واقعہ بن چکی بلکہ زمانے بھر کا موضوع بن گئی ہے، اسی وجہ سے تو ہے کہ ملتِ روم کا یہ بے قابو سینگ تاریخ کی ایک بدترین ہڑبونگ مچاتے ہوئے ہمارے گھروں میں گھس آیا اور ہمارے فکری و مادی وجود ہی کے در پے ہوا ہے۔ امریکی کارپرداز اگر اپنے آپ کو ملتِ روم کے اس منصب سے سبکدوش کر لیتے ہیں جس کی رو سے ان کو ایک چودہ صدیاں پرانی دشمنی نبھانا اور اسلام کے خلاف 'بنی الاصفر' کی قدیم سے جاری اس جنگ میں قیادت کا باقاعدہ علم اٹھا کر چلنا ہے...... تو ہماری بھی اولین ترجیح ان کو اپنا ہدف بنا رکھنا نہیں ہوگا۔ ہم اپنے کام سے کام رکھیں، اسی بات سے مشروط ہو سکتا ہے کہ اٹلانٹک پار کے ایک ملک کی انتظامیہ بھی اپنے ہی کام سے کام رکھے اور اپنے ہی خطے سے اپنا کل سروکار۔

☆☆☆☆☆

نیا اسلامی دور!!!

اس لحاظ سے، عالم اسلام کا یہ حالیہ جہاد اپنے مضمرات میں ایک بے حد منفرد جنگ ہے۔ یہ ایک طویل تاریک دور کا اختتام ہے اور ایک بالکل نئے روشن مرحلے کا آغاز۔ نیا اسلامی دور!!! یہ ایک اس قدر جدید دنیا ہے کہ زمانہ پچھلی پانچ صدیوں سے اب تک جس کو 'جدید' جانتا آیا ہے، اس کی نظر میں اب قدیم اور دقیانوسی ہو رہے گا۔ اس میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں کہ ایک بے حد بھاری چٹان اس امت کی راہ سے، اور درحقیقت انسانیت کی راہ سے، ہٹنے والی ہے اور عنقریب زمانہ ایک نئی خوبصورت گھاٹی چڑھنے والا ہے۔

اس نئے منظر نامے میں، جہاں ہر امت، ہر معاشرہ اور ہر نظریہ دیوالیہ ہو جانے کی آخری حد کو چھو چکا اور باطل کے بیشتر زنگ آلود ڈھانچے ڈھ جانے کو آپ سے آپ تیار بیٹھے ہیں، اور جہاں دنیا بڑی ہونے کے باوجود سمٹ کر ایک بستی بن گئی ہے...... اس نئے منظر نامے میں اسلام کی پیش قدمی کیلئے کون کون سے افق سامنے آنے والے ہیں کہ جن کا تصور بھی ابھی لوگوں کیلئے شاید ممکن نہیں، آنے والے اس مرحلے کی بابت جاننے کی سب سے دلچسپ اور سب سے خوبصورت بات دراصل یہی ہے، اور ہمارے اس سارے صبر اور محنت اور استقامت کو مہمیز دیئے رکھنے کا اصل باعث بھی بس یہی ہے! گو آخرت کا ثواب، ان شاء اللہ، اس سے بھی سوا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر دل آویز اور یقینی..!!!

فَآتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنيَا وَحُسنَ ثَوَابِ الآخِرَةِ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ المُحسِنِينَ!!! (آل عمران:۱۴۸)

"تب (اس جہاد پر) اس نے انہیں دنیا کا ثواب دیا تو آخرت کا حسنِ ثواب۔ اور اللہ

تو عمل میں حسن پیدا کرنے والوں کو ہی عزیز رکھتا ہے!!!"

☆☆☆☆☆

وصلیٰ اللہ علیٰ النبی و آلہ

مطبوعات ایقاظ

شائع شدہ تصانیف:

			قیمت	10 نسخے بذریعہ وی پی	50 نسخے بذریعہ وی پی
دعوت کا منہج کیا ہو؟	محمد قطب	334 صفحات	200	1600	6000
روزِ غضب، زوالِ اسرائیل پر انبیا کی بشارتیں، توراتی صحیفوں کی اپنی شہادت	ڈاکٹر سفر الحوالی	206 صفحات	150	900	4000
موحد تحریک	حامد کمال الدین	264 صفحات	180	1200	5000
روبہ زوال، امریکن ایمپائر فرسٹ ایڈیشن عالم اسلام پر حالیہ صلیبی یورش کے پس منظر میں	حامد کمال الدین	118 صفحات	100	800	3000
روبہ زوال، امریکن ایمپائر فلائنگ پیپر ایڈیشن	حامد کمال الدین	118 صفحات		300	1400
شرح شروط لا الہ الا اللہ	حامد کمال الدین	54 صفحات	60	500	2250
شرح نواقض اسلام	حامد کمال الدین	63 صفحات	60	500	2250
توحید کے تین بنیادی محور	حامد کمال الدین	48 صفحات	55	450	2000
مضامین رمضان، صیام اور بندگی کے معانی	حامد کمال الدین	62 صفحات	60	500	2250

ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

زیر طبع:

قومی ریاستیں یا دار الاسلام؟
حامد کمال الدین

موحد معاشرہ نہ کہ تیسری دنیا
حامد کمال الدین

حامد کمال الدین

کیا ووٹ مقدس امانت ہے؟
حامد کمال الدین

اسلام براستہ جمہوریت، نصف صدی کا قصہ!
حامد کمال الدین

حامد کمال الدین

گاندھی کا مذہب، چہ نسبت بہ ہدیٰ محمد ﷺ؟
حامد کمال الدین

جہاد کی سمت
ایقاظ کے بعض اداریے ترتیب نو کے ساتھ
حامد کمال الدین

حامد کمال الدین

حامد کمال الدین

اردو استفادہ: محمد زکریا

اردو استفادہ: محمد زکریا

6A ذیلدار پارک اچھرہ لاہور www.eeqaz.com 0323-4031624 042-7530541

بحرِ سلف سے پیوستہ، فضائے عہد سے وابستہ

سہ ماہی ایقـــاظ

خصوصاً اِن موضوعات کے مطالعہ کیلئے:

☆ ایمان، عقیدہ، فکر، منہج، تربیت...... جو کہ بصیرت کی اساس ہیں

☆ ولاء اور براء...... جو کہ مسلم شخصیت کی پہنچان ہیں......

☆ امتِ اسلام میں اخوت اور وحدت کے پنپنے اور انسانوں کے گرد کھڑی کردی گئی سب سرحدوں کو بے وقعت کردینے کی دعوت، سوائے اُن 'حدوں' کے جو معبود کے تعین اور طرز حیات کے چناؤ سے وجود میں آتی ہیں
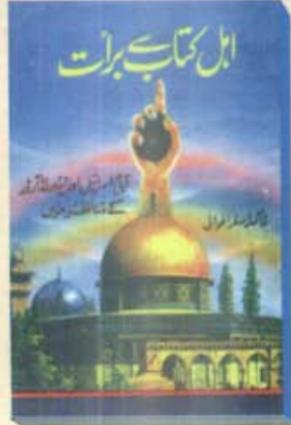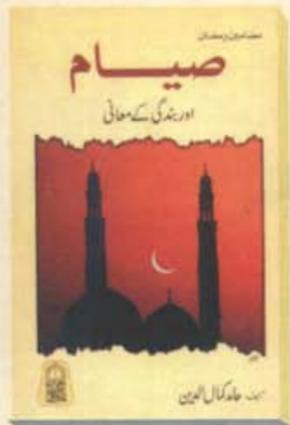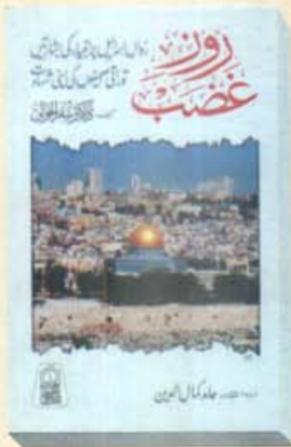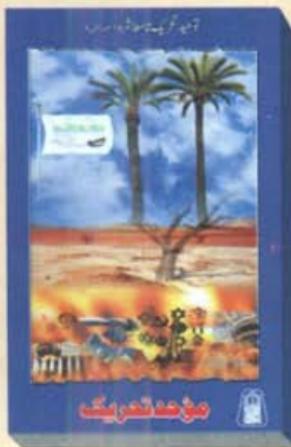
☆ تحریک، سماجی تبدیلی، تہذیبی پیش رفت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دعوت، تعلیم،...... باطل، شرک، ابتداع، فسق اور انحراف کے جملہ مظاہر کی تردید ومخاصمت، جاہلیت سے دوبدوئی...... جو کہ جہاد کے کچھ اہم ابواب ہیں

☆ انسانی رشتوں کا پاس، محروم، نادار، پسے ہوئے طبقے کی خیر خواہی اور اعلیٰ قدروں کی ترویج...... جو کہ مکارمِ اخلاق کے کچھ اہم مندرجات ہیں

- ایقاظ ایک منبر ہے اُس مبارک مشن میں تحریری شمولیت کیلئے جس کا مقصد آج کے اسلامی تحریکوں سے وابستہ نوجوانوں کو عقیدہ کے ایک اصیل متوازن منہج سے آراستہ اور ایک ٹھوس فکری اہلیت سے لیس کردینا ہے اور اہلسنت گروہوں سے وابستہ تحریکی وجہادی وسماجی عمل کو فکری وثقافتی پہلوؤں سے مضبوط کردینا

- ایقاظ ایک کاوش ہے جذبہ کو بصیرت میں مدغم کردینے اور عمل کو علم سے برآمد کرنے کا منہج سامنے لانے کی

- ایقاظ ایک صدا ہے یہاں کے علمی ودعوتی حلقوں میں اس فقہِ اختلاف اور فقہِ ائتلاف کو زندہ وبحال کرنے کی جو کہ اہلسنت کا ایک امتیازی خاصہ اور ان کی قوت کا تاریخی راز ہے، اور جس کے عام ہوجانے سے حق کی قوتیں اپنے آپس کے وہمی معرکے ختم کرکے ایک نئے سرے سے متحد وصف آرا ہوں گی اور اتحاد ویکجہتی کے وقتی وسطحی وغیر طبعی مظاہر سے نجات پائیں گی۔

6A ذیلدار پارک اچھرہ لاہور 0323-4031624 042-7530541

www.eeqaz.com

مطبوعات ایقاظ